جواہر منظوم
ترجمہ اردو
رباعیات سرمد
مرحوم
سنہ ۱۳۲۷ھ
جس کو منشی سید قربان علی صاحب بسمل مالک شاہجہانی پریس دہلی نے
جناب منشی سید نواب علی صاحب صولت لکھنوی (منشی فاضل) تلمیذ
حضرت ملک الکلام قوی امروہوی
نظم کرایا،
اور اپنے شاہجہانی پریس دار السلطنت دہلی میں چھپوا کر شائع کیا
قیمت غیر مجلد بارہ آنے
(بار چہارم)
قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنہ

عطیہ ملک الکلام

جواہر منظوم یعنی ترجمہ رباعیات سرمد مرحوم (نور اللہ مرقدہ) کے متعلق
جناب استادی بلیغ الملک ملک الکلام حضرت قوی امروہوی مد ظلہ العالی نے جو گراں
اشعار نظم فرما کر مرحمت کیے ہیں ان کو طرۂ افتخار سمجھ کر آغاز کتاب میں درج کرنا میرا فرض
نیز میں اپنی اس ناچیز خدمت کو جو تصنیف ترجمہ کی صورت میں بجا لایا ہوں ادب
ساتھ انہی کے نام نامی کے ساتھ منسوب کرتا ہوں کیونکہ درحقیقت اس ترجمے کے اشعا
انہی کے قلزم فیض کے چند قطرے ہیں اور اس لیے امید ہے کہ شرف قبولیت سے مشرف ممتاز کیا

خادم آثم سید نواب علی صولت لکھنوی

نکتہ سنج و نکتہ پرور میر قربان علی — شاعر شیریں بیان قدردان اہل فن
صاحب علم و ہنر حامی اہل علم و فضل — مالک حلم و مروت حامل خلق حسن
تھا زبان فارسی میں جو کلام سرمدی — اسکو اردو میں کیا جلوہ طراز انجمن
منشی فاضل جناب صولت عالی دماغ — لکھنؤ کو ناز ہے اسپر کہ ہے انکا وطن
میرے مخلص مہرباں ہیں میرے تلمیذ عزیز — مجھسے بہتر مجھسے اچھی انکی ہو فکر سخن
ترجمہ ہر بیت سرمد کا کیا کیا خوب نظم — مرحبا اے فکر صولت حبذا زور سخن
ملک میں مقبول ہو ایسا ہی یہ در ترجمہ — اپنی آنکھوں میں جگہ دیں دلمیں رکھیں مرد و زن
ہو جناب ایسجل و صولت کی کوشش بارور — دین و دنیا میں جزا دے اے قوی رب زمن

by
Mr. Hamid Ali, I.C.S.

سوانح سرمد

(از حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ)

آں ناکہ غمِ تو برگزیدند ہمہ — در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکۂ دو کون فتح از عشق است — باآنکہ سپاہ او شہیدند ہمہ

عہدِ عالمگیری اور اس کے بعد جس قدر فارسی تذکرے لکھے گئے اُن میں بالعموم سرمد کے عنوان سے چند سطریں مل جاتی ہیں، لیکن اول تو قدیم تذکروں کے حالات اس قدر مختصر اور ناکافی ہوتے ہیں کہ اگر زندگی کی سرگزشت کا نام مختصر حالات جاننے کو تو شائق کے لیے پورا پتہ بھی نہ میسر آتا۔ اور پھر جو کچھ ہوں وقت یہ ہے کہ اس وقت سامنے نہیں ہیں۔ میں نے عہدِ عالمگیری کی تاریخوں کو دیکھا کہ شاید حوادث و واقعات کے ضمن میں کچھ حالات مل جائیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ عالمگیر نے اپنی تاریخ لکھنے کو روک دیا تھا۔ مرزا محمد کاظم نے عالمگیر کے حکم سے تمام سوانح و حالات بقید سنین بہ التزام قلمبند کرنے شروع کیے لیکن صرف ۱۰ سال ہی کے حالات لکھے تھے کہ حکماً یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد بادشاہ عالم کے عہد میں اپنے عنایت اللہ کو خیالِ تکمیل ہوا۔ اس کے اشارے سے مستعد خاں نے بقیہ ۴۰ سال کے سوانح قلمبند کیے اور ابتدائی دس سالہ مجموعہ کا انتخاب شامل کر کے مآثرِ عالمگیری نام رکھا۔ یہی سنہ ہے جس کے حالات کی ورق گردانی کی کہ شاید سرمد کی شہادت کا ذکر ہے، مگر حالات کا ملنا ایک طرف معلوم ہوتا ہے کہ پوری مستعدی کے ساتھ تاریخ کے صفحوں کو بچایا گیا ہے کہ اس شہیدِ عشق کے جامۂ خونچکاں کی قطرہ افشانی سے حاشیہ کہیں دھبے نہ پڑ جائیں۔ لطف یہ کہ یہی سال شاہ عباس ثانی اور حسین پاشا رومی (فرمانروا والی حجاز) کے سفراء آنے کے ذکر حالات کی سطریں صفحے کی انتہا تک پہنچ کر بھی آگے بڑھنے سے نہیں رکتیں، خیر یہ حالات بھی کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتے تھے طرفہ یہ ہے کہ اسی سال افواجِ دہلی [illegible] چند لڑکے شاہ و [illegible] کی نقل کیا ہے [illegible]

کوتوال اور ایک مجرم بھی تھا، مصنوعی کوتوال نے غیظ و غضب میں آ کر مصنوعی مجرم کو اصلی سزا دے دی، نصف صفحے کے قریب اس حادثۂ عظیم اور داستانِ اہم کی نذر کیا گیا۔ مورخ کی نظر کا جب یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے قصوں کے ہجوم میں سرمد بیچارے کی نعش کیونکر نظر آتی۔

خافی خاں کی منتخب اللباب عہدِ مغلیہ کی مشہور ترین تاریخ ہے جس نے اورنگ زیب کے حالات اس تفصیل سے لکھے ہیں گویا صرف یہی زمانہ موضوعِ کتاب ہے، قیاس کہتا تھا کہ اس لئے یہ واقعہ نظر انداز نہ کر دیا ہوگا کیونکہ عالمگیری عہد کا قلم اس کے ہاتھ میں نہ تھا جسکو ہر قدم پر روک لیئے جانے کا اندیشہ ہوتا مگر جب اُسے کھولا تو ہزار صفحے کے سوانح میں ایک لفظ بھی سرمد کی نسبت نہ تھا۔ سچ یہ ہے کہ دُنیا کا سب سے بڑا ماہر مورخ کا قلم ہے آج کون کہہ سکتا ہے کہ اِس باگ میں کتنی گرہیں ڈال دی گئی تھیں۔

سرمد کی شہادت کا وہی سن ہے جس سن میں کوچ بہار اور آسام پر چڑھائی کی گئی اِس لئے دونوں تاریخوں نے اِس سال کے حالات کا نصف حصہ اسی فتحیابی کی داستان سرائی میں صرف کر دیا۔ فتح آسام کی اہمیت بیان میں شک نہیں مگر مستعد خاں کو کیا معلوم تھا کہ تماشا گاہ عالم میں ایسی آنکھیں بھی ہیں جو اس شادمانی فتح پر تو غلط انداز نظر نہ ڈالیں گی مگر اس غم اثر شکست پر ہمیشہ خونچکاں رہیں گی جو ایک مجنونِ لیلائے حقیقت کو دار پر کھینچکر معرکۂ حق پرستی میں عالمگیر کو نصیب ہوئی۔!

قصہ مختصر با ایں ہمہ دو کتابیں ایسی پیشِ نظر ہیں جن سے زیادہ تر معتبر راوی سرمد کے لیے نہیں ہو سکتے پہلا شخص شیر خاں لودھی (مصنفِ مرآۃ الخیال) ہے جو بغیر کسی واسطے کے عالمگیری عہد کے واقعات لکھتا ہے، کیونکہ اسی عہد کا تذکرہ نویس ہے، اس کا تذکرہ مرآۃ الخیال میرے پاس ہے دوسرا شخص علی قلیخاں داغستانی عہد محمد شاہ کے امرا میں سے ہے جس نے نہایت تفحص و احتیاط سے شعرائے فارسی کا تذکرہ ریاض الشعراء مرتب کیا۔ اس کا قلمی نسخہ معنف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں موجود ہے اور زیادہ تر حالات میں نے اسی سے لیئے ہیں، یہ گو عہد محمد شاہ میں لکھا گیا ہے لیکن سرمد کے حالات کے لیئے ایک واسطے سے زیادہ دور نہیں۔ اِس کے علاوہ تمام تذکروں نے جو کچھ لکھا ہے، اُن میں کچھ نہ کچھ تو محفوظ ہے ایشیاٹک سوسائٹی میں ایک بیاض قلمی عہد عالمگیر ثانی

کہ کسی خوش مذاق شاعر سراج الدین کی جمع کی ہوئی ہے۔ اس میں کہیں کہیں حالات بھی دیے ہیں۔ چند
باتیں ساراستی جمع کی ہیں، غرضکہ گلدستہ تو بنا مگر چند پتوں اور پنکھڑیوں کو دامن میں لے لیا ہے
کہ مشہدِ سرمد میں جاؤں تو خالی ہاتھ کیا جاؤں۔

ابو الکلام

سرمد کی قومیت اور مذہب کو صاف نہیں بتلایا۔ مصنف مرآۃ الخیال کا بیان ہے کہ
"اصلش از فرنگستان و ارمنی بود"۔ مگر باقی تذکرے یہودی الاصل بتلاتے ہیں۔ والہ داغستانی
اس پر آشنا اور بڑھاتا ہے کہ وطن کاشان تھا۔ مگر یہ خیال باہم متناقض نہیں، کیونکہ ایران میں قدیم
آرمینوں کی وسیع آبادی موجود ہے جو بالعموم مسیحی اور بعض یہودی ہیں۔ اب تو انہوں نے یکسر یورپین
طرزِ معاشرت اختیار کرلی ہے اور تحصیل علوم جدیدہ میں تمام ایرانی جماعتوں سے پیشرو ہیں،
مگر ایک صدی پیشتر تک ان میں مذہب کے سوا کوئی بات مسلمانوں سے مختلف نہ تھی۔ ان میں سے بعض
اسلامی علوم و آداب کو اس حد تک حاصل کرتے تھے کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ صحبت میں شریک
ہو سکتے تھے، چنانچہ تذکروں میں متعدد شعراء کے حالات ملتے ہیں جو ارمنی اور مسیحی تھے۔ مگر
ان کے اشعار ایران کے مسلمان خوشگو شعراء کے کلام سے کسی طرح کم نہیں۔ سرمد کا خاندان بھی
ارمنی اور یہودی ہوگا۔ کاشان میں متوطن ہوں گے۔ ارمنی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خیال
پیدا ہوا ہوگا کہ فرنگی ہے اور ایک باہر کے غیر معروف آدمی کی نسبت ایسا دھوکہ ہونا کچھ عجیب نہیں۔

آفتاب چمکتا ہے تو باغ و چمن کو نہیں ڈھونڈتا کہ اپنی کرنوں کا انہیں نشیمن بناؤں۔ اس کا
فیضانِ ضو بخشی مبدءِ فیاض کی طرح فیض عام ہے۔ محلسرائے شاہی کے کنگروں کے طلائی کلس
اگر اس کی ضو افشانی سے چمک اٹھتے ہیں تو کیا جنگل کے خشک درختوں کی شاخوں پر سنہری
رنگ نہیں چڑھ جاتا۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ میرا مقصد نظام شمسی کے مرکز سے نہیں بلکہ آفتاب
اسلام سے ہے۔ بس اوقیانوس تجلی کی لہریں اٹھیں تو انہوں نے اپنے پہلے جسم و خون اور قوم کے
قائم کئے ہوئے امتیازات کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ پھر سیرابی کا وقت آیا تو احرار قریش

اور ارقائے حبش، بلال و صہیب اور عرب دو فرنگ تاجدار و غستان و بادیہ نشین عرب، ادنیٰ و اعلیٰ نزدیک و دور سب کو یکساں طور پر مستفیض کیا۔ صرف صلاحیت اور اثر پذیری معیار فیض رسانی تھی، کہ ہر قوم اور ہر زمین بقدر صلاحیت حصہ یاب ہوئی۔ بوجہل قریشی تھا اور خدا اسکے پاس مگر بدبخت العمر محروم رہا۔ بلال حبشی، اور صہیب رومی تھا، پھر کس قدر دور۔ مگر ان کے دامن دیکھیے تو مالا مال تھے۔ ابر کرم کہاں نہیں برستا؟ مگر ہر زمین لالہ زار نہیں بنجاتی۔

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

یہ اسی فیاضانہ فیض بخشی کا نتیجہ تھا کہ عرب گو مبدا و منشاء اسلام تھا مگر اسکی کوئی خصوصیت نہیں رہی، نومسلم قومیں جو دور دراز ملکوں سے آتی تھیں ہر علم و فن میں اس طرح دست بہ علم ہوئیں کہ خود عرب کو ان کے لیئے اپنی صفیں توڑ دینی پڑیں، یہاں تک کہ آج تراجم و رجال کی کتابیں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کوئی علم و فن ایسا نظر نہیں آتا جس پر نومسلم قوموں کا تسلط نہ ہو حتیٰ کہ فقر و تصوف جس کی مذہب کے سائے میں پرورش ہوتی ہے اسکی تاریخ بھی نومسلم اشخاص کی خود فروشیوں کی منت پذیری سے آزاد نہیں، بات یہ ہے کہ خدا کی محبت کی طرح اسلام کی بلاغ فیض بخشی بھی اس طرح عام تھی کہ نسبت و قومیت اور رنگ خاندان سے بے پرواہ تھی۔

اس عام فیض بخشی کی ایک نمایاں نظیر سرمد کی سوانح عمری بھی ہے، وہ ایران کے کسی ارمنی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور مذہباً یہودی یا عیسائی تھا۔ آغاز عمر ہی میں فیضان الٰہی کی نظر انتخاب پڑی اور جذبۂ ہدایت کی کشش نے مشرف باسلام کیا۔

خاندانی نام کا پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا عام طور پر صرف سرمد ہی کے لقب سے تذکروں میں ذکر کیا گیا ہے اور سچ یہ ہے کہ سرمد کا بے نام ہو جانا کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی شرع میں بے نام و نشانی تو رکن اولین بلکہ شرط ایمانی ہے

باوجودت زمن آواز نیامد کہ منم

لیکن بعض تذکروں میں "سعید" کے سرمد کے عنوان سے اس کے حالات درج کیئے گئے ہیں اس سے

قیاس ہوتا ہے کہ اسلامی نام کا ایک جزو شاید لفظ تمر ہوگا جو بعد میں تحقیق تخلص کیا گیا، مشہور تحصیل علمی کا حال معلوم نہیں، لیکن تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ علم و فضل و عربیت میں درجہ کمال رکھتا تھا اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تحصیل علمی اس زمانہ کے نصاب کے مطابق کامل ہوگی۔

ابتدائی پیشہ تجارت تھا۔ ایران سے تجارتی اموال لیکر ہندوستان کی جانب بڑھا کہ اس زمانہ میں علم و فن کی طرح جنس و متاع کی بھی نمایش گاہ ہندوستان تھا۔ مگر یہ جوان تاجر جو لے کر ہندوستان کی طرف قدم زن تھا نہیں جانتا تھا کہ وہاں پہنچکر کس تجارت میں اپنا تمام سرمایہ لگا دینا پڑے گا، وہ شاید ایرانی مصنوعات فروخت کرکے ہندوستان کی قیمتی اجناس اور مقصود عالم کانوں کے لعل و الماس خریدنا چاہتا تھا، لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ قضا و قدر کا فیصلہ اس کے خلاف ہو چکا ہے، اب تجارت تو بہر صورت اسے آخر حیات تک کرنا پڑے گی۔ مگر زخارف مادے کی تجارت گاہوں میں نہیں بازار حسن و عشق میں جہاں سونے چاندی کی جگہ دل صد پارہ اور جگر صد زخم خوردہ کا سکہ رائج ہے۔ اور جہاں کی تجارت یہ ہے کہ صبر و شکیب ہوش و خرد دل و جگر دیکر ایک غلط انداز نظر ایک جبین بجبین تغافل پیشہ نگاہ خرید لیجیے کہ اس سہل قیمت پر یہ متاع بالکل مفت ہے۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می تواں خرید — خوباں دریں معاملہ تقصیر می کنند

اور صرف اتنا ہی نہیں کیونکہ یہ تو اس بازار کی نمایش اور سامنے کی چہل پہل ہے، اگر ہمت قدم آگے بڑھائے تو پھر وہ آخری سودا بھی کرنا پڑے گا جس کی قیمت فقط جان ہے۔ اور یہیں آ کبھی ہوتا ہے کہ حیات کا لبریز پیمانہ خون شہادت کے ایک لبریز جام سے بدل جاتا ہے ؎

دو عالم نقد جاں بیروں ستانند — بہ بازارے کہ سودائے تو باشد

اس زمانہ میں سیاح (ایرانی) عموماً سندھ ہوکر ہندوستان آتے تھے۔ سندھ کے شہروں میں ٹھٹھہ ایک مشہور شہر تھا جس کو اب تک جغرافیہ میں گمنامی کا خانہ نصیب ہوا ہے یہی ٹھٹھہ وہ

سینائے مقدس تھا جو سرمد کے لیے تجلی گاہ امین بنا۔ اور یہیں سے حسن نے اول اول اپنے چہرہ
سے نقاب الٹی۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندو لڑکا تھا جس کی چشم کافر نے یہ افسوں طرازی کی
ایسا ہونا کچھ مستبعد نہیں، کیونکہ عشق خیز دلوں کو دو نیم کر سکتے ہیں بخیہ گری کی سوئی اور جلاد کی
تیغ دونوں برابر ہیں، یہاں تجارت میں خریدار کو تو بے پروا دیکھا مگر صاحب جنس کو غم منت
ہوتا ہے پھر جو لوگ کہ اپنے دلوں کو ہاتھوں پہ بطرز نذر رکھے ہوئے خریدار ڈھونڈھتے ہوں انہیں
حق ہے ہی نہیں کہ خریدار میں خاص اوصاف کے طالب ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سادہ لوح
ایرانی تاجر بھی متاع دل کی کس مپرسی سے تنگ آگیا تھا، اور خود خریدار کو ڈھونڈھ
رہا تھا، جب خریدار مل گیا تو نظر اٹھا کے دیکھا نہیں کہ کون ہے اور کیا لیکے آیا ہے بس یہ غنیمت
سمجھا کہ دل جیسی متاع ارزاں کی ایک چشم سحر کار طالب ہے اور بلا تامل یہ سودا منظور کر لیا۔

دلال عشق بود خریدار جاں ستاں   خود را فروختیم چہ سودا بکار رسید

سرمد کو آئندہ جس صحرا میں بادیہ پیمائی کرنی تھی یہ اس کی طرف پہلا قدم تھا اور کچھ سرمد
ہی کی خصوصیت نہیں عشق خواہ کسی عنوان ہو، منزل حقیقت کا کیا ذکر عشق تو وہ دروازہ
ہے کہ جس سے گزرے بغیر انسان انسان نہیں ہو سکتا جس کے دل و جگر میں چوٹ نہیں اور آنکھ
تر ہی نہیں، اس کو معنی انسانیت سے کیا واسطہ؟ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ زاہد معتکف بھی
باایں ہمہ تقشف جب اپنے زاویۂ عبادت میں سر بزانو ہوتا ہے تو حور و غلمان کی ہم آغوشی
سے لطف لیئے بغیر نہیں رہ سکتا یعنی جو خشک دماغ مسجد کے گوشوں اور حجروں میں دوست
کو ڈھونڈھتے ہیں انہیں بھی اس تصور کے بغیر چارہ نہیں۔

حور جنت جلوہ بر زاہد داد در راہ دوست
اندک اندک عشق در کار آورد بیگانہ را

یہی وجہ ہے کہ جو سودا زدگان حقیقت شاہد ازلی کے جانثار ہیں انہیں بھی عشق مجازی کے
کوچوں میں در و دیوار سے سر ٹکراتے دیکھا گیا ہے، کیونکہ دل جب تک لذت آشنائے

ورنہ ہو بہو فطرت کی ایک قاش ہے جس کو پانی پیتے دیکھا، مگر آگ میں جلتے ہوئے کبھی نظر نہ آئی۔
حالانکہ انسانیت کا مفہوم یکسر سوز و گداز ہے اور عشق کا کلیسا آتشکدہ ہے، یہاں وہی آتش
طلب قدم رکھ سکتے ہیں جو اپنے دلوں کو اس آتش کدہ پر نذر چڑھا دیں اور پھر دامن سے ہوا
دیتے جائیں، کہ کہیں شعلوں کی بھڑک کم نہ ہو جائے۔

افسردہ را نصیب نباشد دل کباب آں باید ایں نوالہ کہ مہمانِ آتش ست

عشقِ الٰہی کی پہلی شرط یہ ہے کہ ماسوا کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں مگر انسان آب و گِل کے
تعلقات میں اس طرح پابگل ہے کہ جب تک دل پر درد کی کوئی محکم چوٹ نہ لگے ادھر سے
ٹوٹ نہیں سکتا۔ مکھی جب شہد پر بیٹھ جاتی ہے تو جب تک اڑا دیجئے نہیں، نہیں اڑتی۔ انسان
کا دل جب تک چوٹ نہ کھائے دنیا کی لذتوں کو نہیں چھوڑتا۔ یہ چوٹ صرف عشق ہی کے
ہاتھوں لگ سکتی ہے۔ عشق ہی کا فرشتہ اپنے بازوؤں میں وہ مافوق الفطرت طاقت رکھتا ہے
کہ اس کی تیغ کا پہلا ہی وار خون کے تاروں سے بندھے ہوئے رشتوں اور دنیا کی دلفریبیوں کی
جکڑی ہوئی زنجیروں کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور دل جب ہر قسم کی بندشوں سے آزاد ہو کر اپنے
آپ کو دیکھتا ہے تو حلقۂ ازل کے سوا اور کوئی بیڑی پاؤں میں نہیں ہوتی، اسی درد کے لیے
عارف عطار بیقرار و نغمہ سنا رہے کہ ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را ذرۂ دردے دلِ عطار را

غور کرو جس مردہ دل کو کبھی یہ وقت خوش نصیب نہ ہوا کہ کسی بند نقاب کے ٹوٹنے کے تصور
میں اپنے خرمنِ ہوش و حواس پر بجلیاں گرائے اس کو شاہدِ حقیقت کا نظارہ حواسِ ظاہری سے
کب ہو سکتا ہے، جس افسردہ نفس نے اپنی عزیز اور شیریں راتیں کسی نرگسِ خواب آلود
کی یاد میں نہ کاٹی ہوں اسکو معشوقِ حقیقی کی یاد میں بے چین راتیں کب نصیب ہو سکتی ہیں
جس خیرہ و ملتمع نے اپنے سرمایۂ عشق و عجز و نیاز کو کسی مغرور ناز کی کج اداؤں اور بے نیازیوں
نثار نہ کر دیا ہو وہ خود پسندی اور وجود آرائی کے بت کیونکر توڑ سکتا ہے؟ جس جسم کو

اسی پیکرِ حسن کی صدائے شیریں نے مبہوت و لایعقل نہ کر دیا ہو اس کو ساز ازل کی نغمہ سرائی پر کیونکر وجد آسکے۔ غرضیکہ جس بدنصیب کو کسی مستِ حسن کی نگاہ نے مچا یا بیخود نہ کیا سکی اسے جلوۂ طور پر کیونکر غش آنے لگا۔ ؟ جو فتیلہ پہلے جل چکا ہو وہ فوراً آگ پکڑ لیتا ہے، لیکن نئے فتیلہ کو بہت دیر تک آگ دکھلانی پڑتی ہے ؎

محبت با دلِ نا دیدہ الفت بیشتر گیرد		چراغے راکہ دودے ہست سر زود تر گیرد

ناظرین اگر جویائے حسن ہیں تو روئے پنہاں کے نظارے کے کیونکر منتظر ہیں ؟ نہیں تو پردۂ نقاب کی زیبائی پر ہی لوٹ جانا چاہیئے۔ کنعان کی گم کردہ پیسر آنکھوں نے جلوۂ یوسفی کا انتظار نہیں کیا۔ پیراہن یوسفی کی بو پاتے ہی آنکھیں کھل گئیں انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون یہی وجہ ہے کہ میخانۂ حقیقت میں جب مجلس گرم ہوتی ہے تو پہلے جام و مینا کا دور چلتا ہے، اور جب اس کے تلخ گھونٹ گوارا ہو جاتے ہیں تو پھر خود ساقی اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیتا ہے کہ اب جام و سبو کی ضرورت نہیں آنکھ کے نشۂ خیز سے خود رفتگی و خود گزشتگی حاصل کیجئے۔

مے حاجت نیست مستیم را		در چشم تو تا خمار باشد

سرمد کے آگے بھی یہ جام رکھا گیا اور جام کی خوبی بہت کچھ جام پیش کرنے والے ہاتھ کی رعنائی پر منحصر ہے، اس لیے ہم اس ہندو لڑکے کو بھولنا نہیں چاہتے جس کی نگاہ لیلیٰ روش نے سرمد کو مجنوں بنایا۔ مگر افسوس کہ ہر عاشق قیس و فرہاد کی قسمت کو کہاں سے لائے سرمد کے لیلے کا زیادہ سے زیادہ حال جو معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ ایک ہندو لڑکا تھا اور غور کیجئے تو یہ بھی بہت ہے کیونکہ بازارِ عشق میں جب سودا چکایا جاتا ہے تو کب دیکھا جاتا ہے کہ خریدار کون ہے اور کیا قیمت مل رہی ہے ؟ ؎

مرا فروخت محبت ولے ندانستم		کہ مشتری چہ کس است و بہا چہ چیز است

ارباب تذکرہ اسمیں بھی ہم آہنگ نہیں کہ یہ واقعہ کہاں ہوا ؟ والہ داغستانی لکھتا ہے کہ سرمد بسودا

ہیں، اور آزاد بلگرامی نے اپنے کسی تذکرے میں عظیم آباد پٹنہ لکھا ہے لیکن ان سب میں مرآۃ الخیال قدیم العہد ہے اور اسکا بیان ہے کہ "در اثنائے تجارت بشہر ٹتہ افتاد و برہنہ و بسر عاشق گشت" اس لیئے ہمنے اس کو ترجیح دی ہے، بہرکیف بجلی کہیں گری ہو، دیکھنا یہ ہے کہ دہقان کے خرمن سوختہ کا کیا حال ہوا۔

عشق کی شورش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں، ہر عاشق گو قیس ہو مگر مجنون ضرور ہوتا ہے اور جب عشق آتا ہے تو عقل و حواس سے کہتا ہے کہ میرے لیے جگہ خالی کردو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی اور جذب و جنون اس طرح چھایا کہ ہوش و حواس کے ساتھ تمام مال و متاع تجارت بھی غارت کردیا۔ دنیوی تعلقات میں جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی، بالآخر اس بوجھ سے بھی پاؤں ہلکا ہوگیا کہ پابندیاں تو مدعیان ہشیاری کے لیے ہیں مجنون لایعقل مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

خطا بر دمِ دیوانہ کس نمے گیرد　　　　جنوں نداری و آشفتہ خطا اینجاست

بیاباں نوردی عالم عشق کی سیر و سیاحت ہے کہ اسی سے انسان کی عقل تجربہ کار پختہ ہوتی ہے "مجنون" جو صفت عشاق میں نمایاں نظر آتا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ صحرا گردی میں کوئی اس کا حریف نہیں، سرمد نے بھی مدتوں صحرا کی خاک چھانی سندھ کے ریگزاروں سے تلوے گرم کیئے ہندوستان کے گرم و سرد موسموں کو یکساں عریانی میں کاٹ دیا اور بالآخر جب یہ عقدہ کھلا کہ ؎

بیہودہ چرا در طلبش میگردی　　　　بنشیں۔ اگر او خداست خود می آید

تو پھر ایک مستقر کی تلاش ہوئی جہاں بیٹھکر عشق کے آخری امتحان کا انتظار کیا جائے لیکن جب نتیجہ یہی تھا تو پھر بیابان نوردی کیوں تھی؟ مگر میں خود کہہ چکا ہوں کہ یہ بھی عشق کے قانون کمال میں داخل ہے، اور عشق کے قانون میں ؎

یکے از دستگیری ہائے عشق است　　　　عزیزاں را بخواری بر کشیدن

یہ وہ زمانہ تھا کہ عنقریب بساط ہند پر عالمگیر ایک نئی چال چلنے والا تھا۔ شاہ جہانی حکومت کا عہد آخری اور شہزادہ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا، سلسلۂ مغلیہ میں داراشکوہ ایک عجیب

شاید دارا شکوہ بھی عالمگیر جیسے ہوشیاروں کی ہوشیاری سے تنگ آ گیا تھا، اسی لیے اُس نے
سرمد جیسے مجانین کی صحبت کو ہوشمند العقول کی مجلس پر ترجیح دی۔

غرضیکہ سرمد دارا شکوہ کی صحبت میں رہنے لگا اور اُسے بھی سرمد سے کمال عقیدت تھی اُس کی
درونِ عشق کی سوزش انگیزیاں کبھی کبھی اسے باہر نکلنے پر مجبور کرتیں، لیکن چونکہ معلوم ہو چکا تھا
کہ آخری امتحان گاہ یہی ہے اِس لیے شاہجہاں آباد سے نکل نہیں سکتا تھا، یہاں تک کہ
شاہجہاں کی علالت اور دارا شکوہ کی نیابت نے عالمگیری ارادوں کے ظہور کا سامان کر دیا اور ایک عرصہ
کی شورش اور خونریزی کے بعد ۱۰۶۹ھ میں عالمگیر اورنگ نشینِ حکومت ہوا، یہ زمانہ دارا شکوہ کے
ساتھیوں اور ہمنشینوں کے لیے خود دارا شکوہ سے کم مصیبت انگیز نہ تھا، بہت سے لوگ تو
دارا شکوہ کے ساتھ نکل گئے اور جو رہ گئے اُنہوں نے اپنے آپ کو کشتی طوفان میں پایا لیکن اِس
رہینِ بے خبری کو اپنے استغراق میں اس کی فرصت کہاں ملتی تھی کہ نظر اٹھا کے دیکھے، اور اگر دیکھتا بھی
تو وہاں سے کیونکر نکلتا۔ کیونکہ با ایں ہمہ بے خبری اس سے بے خبر نہ تھا کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے عشق کی ابتدائی
منزلیں تھیں آخری منزل طے کرنی باقی ہے اور وہ یہیں پیش آنے والی ہے۔

بیک دو زخم کہ خوردن ز عشق ایمن مباش — کہ در کمین گہ ابرو کمان کشش است ہنوز

سرمد کی شہادت کے اسباب تذکرہ نویسوں نے اکثر بتلائے ہیں۔ تذکرۃ الخیال میں ہے
کہ سرمد کی اِس رباعی پر جبہ پوشانِ شرع کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسے کفر قرار دیا کہ
معراجِ جسمانی سے انکار لازم آتا ہے ؎

ہر کس کہ سرِ حقیقتش باور شد — او پہن تر از سپہر پہناور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد — سرمد گوید فلک بہ احمد در شد

مگر اس ترکِ سادہ کو فقیہانہ جنگ و جدل سے کیا سروکار تھا، اس نے نظر اٹھا کے دیکھا تک نہیں
کہ یہ کور بصر کیا شور و غوغا کر رہے ہیں؟ وہ تو اس عالم میں تھا جہاں ان اقرار و انکار کی گفتگو
کی آواز نہیں پہنچ سکتی ؎

در عجائب ہائے طور عشق حکمتہا کم است — عشق را با مصلحت اندیشی مجنوں چہ کار

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عالمگیر کی نظروں میں تو سب سے بڑا جرم دارا شکوہ کی معیت تھی اور وہ
کسی نہ کسی بہانے قتل کرنا چاہتا تھا۔ ایشیا میں ہمیشہ سے پالیٹکس مذہب کی آڑ میں ہا ہے اور
ہزاروں خونریزیاں جو پولیٹکل اسباب سے ہوئی ہیں انہیں مذہب ہی کی چادر اڑھا کر چھپایا
گیا ہے، جب اور کوئی بہانہ نہ ملا تو عریانی و برہنگی کو کہ خلاف رسم شرع ہے بنیاد قرار دیا۔ اور
مذکورہ بالا رباعی سے نتیجہ نکالا کہ معراج جسمانی کا منکر ہے۔ ملا قوی اس زمانہ میں قاضی القضاۃ
تھے، عالمگیر نے انہیں سرمد کے پاس بھیجا کہ برہنگی کی وجہ دریافت کریں۔ ملا صاحب نے کہا
کہ با وجود علم و کمال و فضل برہنہ و مکشوف العورۃ رہنا کس عذر پر مبنی ہے۔ سرمد نے
کہا کیا کروں شیطان قوی ہے اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی ؎

خوش بالائے کردہ چنیں پست مرا — چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش — دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا

ملا صاحب بہم ہوئے اور برہم ہونے کی بات ہی تھی، کیونکہ اسلام کی توہین نہیں کی گئی مگر
خود ان کے وجود مسلام کی سخت اہانت ہوئی، یعنی اُن کا اسم سامی ابلیس لعین کا وصف
قرار پایا۔ بہر کیف انہوں نے عالمگیر سے آکر کہا کہ کفر کا کافی مواد ہاتھ آگیا ہے اور قلمدان کھولنا
چاہا کہ علما سے ظاہر کی تیغ خون آشام ابھی نیام میں رہتی ہے۔ لیکن عالمگیر کی عاقبت اندیشیوں
نے صرف اس بہانہ کو کافی نہ سمجھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ سرمد کوئی معمولی شخص نہیں ہے جس کا
قتل ایک عامۃ الورود واقعہ سمجھا جائے گا۔ علم و فضل کے لحاظ سے کوئی اُسکا ہمتا نہیں
اور رجوع خلائق کا یہ حال ہے کہ سارا شاہجہاں آباد اُس کا معتقد اور ہوا خواہ ہے اس لیے
جب تک کوئی بہانہ کافی ہاتھ نہ آئے اس ارادے کو ملتوی رکھنا چاہیئے۔

اسلام کے اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں فقہا کا قلم ہمیشہ تیغ بے نیام رہا ہے اور ہزاروں
حق پرستوں کا خون ان کے فتووں کا دامنگیر ہے اسلام کی تاریخ کو خواہ کہیں سے پڑھو۔ مگر سرمد کی

مثالیں کہتی ہیں کہ جب بادشاہ خونریزی پر آمادہ تھا تو دارالافتاء کا قلم اور سپہ سالار کی تیغ دونوں یکساں طور پر کام دیتے تھے، صدوفیہ اور ارباب وطن پر منحصر نہیں، علما نے شریعت میں سے بھی جو نکتہ ہیں اسرار حقیقت کے قریب ہوئے قہتار کے ہاتھوں انہیں مصیبتیں اٹھانی پڑیں، اور بالآخر سرد بکر نجات پائی سرمد بھی اسی تیغ کا شہید ہے ؎

چوں می رود نظیری خونیں کفن بحشر　　خلقے فغاں کنند کہ این ام ادخواہ کیست

آخر الامر یہ قرار پایا کہ سرمد کو علماء و فضلائے عصر کے مجمع میں طلب کیا جاتے اور تمام علماء کی جو رائے قایم ہو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے چنانچہ مجلس منعقد ہوئی اور سرمد کو بلایا گیا سب سے پہلے خود عالمگیر مخاطب ہوا اور پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں سرمد نے داراشکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا کیا کہ یہ سچ ہے؟ سرمد نے کہا کہ ہاں اور وہ مژدہ درست نکلا کہ اسے ابدی سلطنت کی تاجپوشی نصیب ہوئی۔ عامہ بندوں نے کہا کہ برہنگی شرع کے خلاف ہے اور ہم اس کے لئے صاحب عقل و تمیز کا کوئی عذر مسموع نہیں اس کا جواب تو سرمد پہلے ہی دے چکا تھا ؎

وز دے عجیبے برہنہ کردہ است مرا

خلیفہ ابراہیم بدخشانی اواخر عہد عالمگیری میں ایک صاحب طریقت بزرگ گزرے ہیں۔ والہ داغستانی اُن بزرگ سے روایت کرتا ہے کہ جب مجمع علماء میں سرمد کو لباس پہننے کیلئے کہا گیا اور مسموع نہ ہوا تو بادشاہ نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہوسکتی ان سے کہا جائے کہ کلمہ طیبہ پڑھے اور یہ اس لیے کہا کہ بادشاہ سُن چکا تھا کہ سرمد کی عادات عجیبہ میں سے ایک عادت یہ بھی ہے کہ کلمہ طیب جب پڑھتا ہے تو لا الہ سے زیادہ نہیں کہتا۔ علماء نے سرمد سے کلمہ پڑھنے کی خواہش کی تو اپنی عادت کے بموجب صرف لا الہ پڑھا کہ جاء نفی ہے پھر علماء نے شور مچایا تو کہا ابھی تک میں نفی میں مستغرق ہوں مرتبہ اثبات تک نہیں پہنچا اگر لا الہ اللہ کہونگا تو جھوٹ ہوگا اور جو دل میں نہ ہو وہ زبان پر کیسے آسکتے؟ علماء نے کہا ایسا کہنا کفر صریح ہے، اگر توبہ نہ کرے تو مستحق قتل ہے، نیا ہر سرمد نہیں جانتے تھے کہ سرمد اس سے بہت اونچا ہے کہ کفر و ایمان کی بحثیں سنائی جائیں، وہ قتل خوشتا

کے ہنگام سے مرعوب ہو۔ یہ کفر ساز تو اپنے مدرسہ و مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر سوچتے تھے کہ اسکی کرسی کتنی اونچی ہے اور وہ اس منارۂ عشق پر تھا جہاں دیوار کعبہ اور مندر بالمقابل نظر آتے ہیں اور جہاں کفر و ایمان کے علم ایک ساتھ لہراتے ہیں ؎

کشورے ہست کہ در تو رود از کفر نشاں　　　ہمہ با گفت و شنود بر سر ایماں نہ رود

سرمد نے تو اپنی حالت بے کم و کاست بیان کر دی تھی ایمان بالغیب پر جو لوگ قانع نہیں ہوتے وہ اپنے اقرار کو مشاہدۂ عینی سے استوار کرنا چاہتے ہیں، اور شاہد حقیقت کی رونمائی تقاضۂ شہادت ہے جو ابھی سرمد کو نصیب نہیں ہوئی تھی، پس جس چیز کو دیکھا نہ تھا کیونکر کہتا کہ "ہے"۔ اس سلک کے چلنے والوں میں سب ہی کو اس منزل سے دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن سرمد کا جرم یہ تھا کہ وہ جس جام کو چھپ کر پیتے ہیں سرمد نے علانیہ منہ سے لگایا اور درۂ محتسب کا مستحق ٹھہرا۔

خرقہ پوشاں ہمہ گرست گذشتند و گذشت　　　قصۂ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

اور بہ تعمق سے دیکھیے تو یہ اعلان ضروری تھا کیونکہ جب اس سفر کی آخری منزل شہادت ہی تو خواہ ناقہ کا رخ کسی طرف ہوتا دست کارفرما کا فرض تھا کہ اسی طرف پھیر دے۔

منصور را کہ رخصت اظہار دادہ اند　　　غیر از قصاص و محنت زنداں نبود و نظر

غرضکہ جب سرمد نے توبہ نہ کی تو علماء نے بلا تامل فتویٰ قتل صادر کیا اور دوسرے دن قتلگاہ میں لے گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۷۲ھ میں ہوا کہ عالمگیر کی تخت نشینی کو ایک سال سے زیادہ زمانہ گزرا تھا

مو بمو ہم دوست شد تر سر کہ از استیلائے عشق　　　یک انا الحق گوئے دیگر بر سر دار آورد

جب سرمد کو شہادت گاہ میں لے چلے تمام شہر ٹوٹ پڑا اور اس قدر ہجوم تھا کہ رستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا عشق کی نیرنگیوں کو کیا کہیے جہاں کا عام پسند تماشا خونریزی ہو اور جہاں قربانی سے بڑھ کر کوئی دل پسند کھیل نہیں، جب کوئی سر دادہ مرکب پر چڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دولہا کی سواری جا رہی ہے اور براتیوں کا ہجوم ہے کہ شانہ سے شانہ چھلتا ہے ؎

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست　　　تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

مگر یہ عشقِ مجازی تھا کہ سر بام آنے کی خواہش کی گئی ورنہ سرمد کو تو سر اٹھانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو مسکرا کر نظر ملائی اور کہا "فدائے تو شوم بیا بیا کہ تو بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم"! صاحب مرآۃ الخیال راوی ہے کہ اس جملہ کے بعد یہ شعر پڑھا اور مردانہ وار سر تلوار کے نیچے رکھ کر جان دیدی ؎

شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم　　دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

صاحب مرآۃ الخیال کو عالمگیر کی خوشامد سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ سرمد کی نعش خون آلود پر اشک افشانی کرتا لیکن ستم یہ ہے کہ اس سنگین دلی پر قانع نہ ہو کر چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ خونریزی بھی عالمگیر کے دفتر مناقب و فضائل میں جگہ پائے حالانکہ اس دفتر کا تو پہلے ہی سے ہر صفحہ رنگین ہے، اسکو بھی عشق کی شیوہ گری سمجھیے کہ یہاں کی قربانیوں سے جن کے ہاتھ آلودہ خون ہوتے ہیں وہ مجرم و خونی ہونے کی جگہ تحسین و ثواب کا صلہ مانگتے ہیں، گویا میدانِ عشق بھی قربان گاہ بتاں ہے کہ جس قدر خون بہایئے عین ثواب ہے۔

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں　　وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرمد کی جہاں قبر سمجھی جاتی ہے یہ اس کا مدفن نہیں صرف مشہد ہے لیکن والہ داغستانی نے تصریح کر دی ہے کہ "در جنب مسجد جامع گردن اوراز دند و در ہمانجا دفن کردند"۔ یہ مقام موجودہ مزار کے سوا اور کونسا ہو سکتا ہے؟ پھر لکھتے ہیں کہ:-

"راقم الحروف بزیارت مزار وے مکرر مشرف شدہ ام در چہار فصل سبزہ از تربتش کم نمی شود و الحق فیض عجیبے در زیارت آں منصور ثانی است"۔ والہ داغستانی عہد محمد شاہی میں تھا اور اس کے تذکرہ کا سال تصنیف سنہ ۱۱۶۱ھ ہے لیکن آج بھی مشہد سرمد زیارتگاہ عوام و خاص ہے اور ہمیشہ فاتحہ کے ہاتھ اس کے آگے رو بآسمان رہتے ہیں۔

بر سر تربت ما چوں گذری ہمت خواہ　　کہ زیارت گہ رندان جہاں خواہد بود

خلیفہ ابراہیم بدخشانی راوی ہیں کہ سرمد نے زندگی میں کلمہ طیبہ لا الہ سے زیادہ نہیں پڑھا لیکن

جب شہادت پائی تو لوگوں نے سنا کہ سرِ کشتہ سے تین بار لا الہ الا اللہ کی صدا بلند ہوئی۔ اس کے علاوہ والہ داغستانی لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ جماعت سے سنا گیا ہے کہ سرمد کا سرِ مقتول کلمہ طیبہ پڑھتا رہا اور اتنا ہی نہیں بلکہ کچھ دیر مصروف حمدِ الٰہی بھی رہا۔ موجودہ زمانہ میں ایسی روایتوں پر لوگ بمشکل یقین لائیں گے لیکن ہمیں تو یہ بیان پڑھکر تعجب نہ ہوا کیونکہ اگر خوش اعتقادی کے کان نہیں ہیں تو کیا حقیقت بینی کی آنکھوں سے بھی محروم ہونا چاہیئے۔؟ ہم نے بہار میں شگفتہ شاداب پھولوں اور خزاں میں افسردہ و خشک شاخوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے پھر اگر ایک شہیدِ عشق کے سرِ مقتول کے لب ہلتے نظر آئیں تو کیوں تعجب ہے؟۔ ممکن ہے کہ سرمد کے بیجان سر سے زیادہ گذر کر ہمارے کانوں میں اب تک شہید سرمد سے صدائیں آرہی ہیں کہ

کس چہ داند در رہ ہائے عشق　　منت ایں مرگ بر جانِ من است

عالمگیر ۱۰۶۹ھ میں تخت نشین ہوا اور ایک ہی سال کے بعد سرمد کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس کے بعد ایک قرن سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے

خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نباشد

یہ سرمد کے خون کی ہی نیرنگیاں تھیں کہ اس تمام مدت میں عالمگیر کو کبھی راحت و اطمینان کے دن نصیب نہ ہوئے۔ یہاں تک پیغامِ اجل بھی آیا تو عالمِ غربت و پریشانی میں۔ مگر سوانح نویس کے قلم سے ایسے جملہ نہیں نکل سکتے۔ خونِ رفتگانِ عشق جب اپنے قاتلوں سے گلہ مند جفا نہیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ ان کی شکایت سے قلم آلودہ ہوں جب سرمد نے جلاد سے کہا "بہر صورتے کہ می آئی من ترا میشناسم" تو آج سے عالمگیر اور عالمگیری علماء سے کیا شکایت ہوگی

شد آ[illegible] ظہوری پر از محبت یار
برائے [illegible] اغیار در دلم جا نیست

رُباعیاتِ سرمد مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از جرم فزوں یافتہ ام فضل ترا — ایں شد سبب معصیت بیش مرا

۱

ہرچند گنہ بیش کرم بیشتر است — دیدم ہمہ جا و آزمودم ہمہ را

ہر جرم سے پایا ہے سوا فضل ترا — باعث یہ فزونیٔ معاصی کا ہوا

افزوں ہیں اگر گنہ، کرم افزوں تر — ۱ — دیکھا ہر طرح خوب سب کو جانچا

از کار جہاں عقدہ کشودم ہمہ را — در محنت و اندوہ ربودم ہمہ را

۲

حق دانی و انصاف ندیدم ز کسے — دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

دنیا کا ہر ایک عقدہ میں نے کھولا — مشکل میں کسی نے ساتھ میرا نہ دیا

حق دانی و انصاف کو پایا نہ کہیں — ۲ — اچھی طرح سب کو آزمایا، دیکھا

در بادیۂ تجربہ یا رب ہمہ جا — افتاد سرو کار بہ زشت و زیبا

۳

غیر از تو کسے نہ گشت فریاد رسم — دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را

میدان میں تجربے کے اے بار خدا — ہر اچھے برے سے کام پڑا اٹکا

کب تیرے سوا سنی کسی نے فریاد — ۳ — ہر ایک کو آزما کے دیکھا بھالا

از بادِ صبا خواست دلم بوئے ترا ... چشمم ز چمن جست گلِ روئے ترا
آخر نہ ازیں دو چار گشتے نازان ۸ ... اندیشہ نشان داد رہ کوئے ترا

دل چاہتا ہے صبا سے خوشبو تیری ... خواہاں ہے چمن میں آنکھ گلِ رُو تیری
لیکن نہ ہوا حصول کا بدل و چشم ۸ ... اندیشہ نے دکھلائی رہ کو تیری

کردی تو علم بدلربائی خود را ... ہم در فن و مہر آشنائی خود را
این دیدہ کہ بیناست تماشائی تست ۹ ... ہر لحظہ بصد رنگ نمائی خود را

کیا کیا نہ دکھائی دلربائی تو نے ... کیا کیا نہ جتائی آشنائی تو نے
ہر دیدۂ بینا ہے تماشائی ترا ۹ ... سو رنگ سے کی جلوہ نمائی تو نے

ہر جا کہ بیابی تو نشانے ز جفا ... یا مہر و محبت گل و بوئے ز وفا
از خلق و ز خلق خود ندانی ہرگز ۱۰ ... آں ہر دو بدست اوست گفتم بخدا

پایا نہ اگر تو نے کہیں نام جفا ... یا مہر و محبت و گل و بوئے وفا
کچھ سمجھا نہ رازِ خلقت و خلق کو تو ۱۰ ... یہ دونوں خدا کے ہاتھ میں ہیں بخدا

یا رب ز کرم ببخش تقصیر مرا ... مقبول بکن نالۂ شبگیر مرا
ما پُر گنہ و ما چرا الست عجیب ۱۱ ... لطف تو کند چارۂ تدبیر مرا

یا رب تو کرم سے بخش ہر جرم مرا ... ہر نالۂ شبگیر کی تاثیر دکھا
ہوں پُر ز خطا اور تعجب یہ ہے ۱۱ ... کام آتا ہے ہر دم کرم و لطف ترا

از صحبت ہمدماں بہ باغ و صحرا ذوق سخنے بود و ہوائے مینا
آخر سخنے ماند و عزیزاں رفتند ۱۲ مینائے فلک فگند اورا از پا

احباب سے تھی بہار باغ و صحرا ذوقِ سخن و اُلفتِ جام و مینا
آخر نہ رہے وہ دوست و رنگ سخن ۱۲ مینائے فلک نے جامِ ہستی اُلٹا

باز آ باز آ ز فکر باطل باز آ از وہم و خیال خام ایدل باز آ
خوش شو و مشو ز فکر دنیا ہرگز ۱۳ نہ وصل نماید و نہ وصل باز آ

مت کر مت کر تو فکر باطل باز آ ان خام خیالوں سے ایدل باز آ
فکر دنیا سے شادمانی کیسی؟ ۱۳ ہوگا نہ کبھی وصل نہ وصل باز آ

ہر کس ہست دریں بادیہ دنبال ترا انست آل کار از مال ترا
اول محنت آخرش حسرت ہست ۱۴ ایں مال کند ہمیشہ پامال ترا

اس دشت میں ہو رہا ہے کیا کچھ جنجال ہے دولت و مال و زر کا تیری یہ مآل
اول محنت ہے اور آخر حسرت ۱۴ یہ مال کرے گا تجھ کو ہر دم پامال

گہ مہر و وفا کند گہے ناز و جفا ہر لحظہ بصد رنگ نماید خود را
آں عشوہ گر کرشمہ گر آئینہ بکنار ۱۵ یک گام نگردد ز تو بیرون جدا

کرتا ہے کبھی مہر کبھی ناز و جفا کس طرح دکھاتا ہے وہ اپنا جلوہ
آئینہ نظر کو لے کے پہلو میں ۱۵ ہوتا کہ نہ تجھ سے پھر وہ دم بھر کو جدا

ای نفس ستمگار سراپا حسرت ۔ جز شکر نبرا نیست ہزاران نعمت

قانع نشدی گاہ گہی خورسند ۲۳ ۔ دنیا ہمہ بہر طول املت

اے نفس ستمگار سراپا حسرت ۔ جز شکر نہیں تیرے لیے کچھ نعمت

کی تو نے قناعت نہ ہوا تو خورسند ۲۳ ۔ اس طول امل کی نہیں دنیا میں سکت

سرمد ہمہ جا ہست جانش در دست کسیست ۔ تیر است و کمانش در دست کسیست

صید است کہ آدم شدہ از دام جہد ۲۵ ۔ گاہے شد و پیمانش در دست کسیست

سرمد ہی دل و جان کس ہاتھ میں ہے ۔ ہے تیر مگر کمان کس ہاتھ میں ہے

خواہش تھی کہ صد آدمیت سے چھوٹو ۲۵ ۔ اسکا تو کی پیمان کس ہاتھ میں ہے

این خرقہ پشمینہ کہ زنار در وست ۔ مکر است و ریا فتنہ بسیار در وست

پردہ پوشش مکش دست بکش تا بینی ۲۶ ۔ این بار ندامت کہ صد آزار در وست

یہ خرقہ کہ پردہ میں ہے جس کے زنار ۔ ہیں جس میں ریا فتنہ و مکر ہزار

کاندھے سے یہ ڈال تاکہ تجھ پر ٹوٹے ۲۶ ۔ وہ بار ندامت کہ ہیں جس میں آزار

ہر جا کہ گلی ز باغ خوش چمن است ۔ او سکن دل خوش است یا وطن است

گر یار دو پیرست گوئی حق است ۲۷ ۔ ورنہ زاہد شیخی یہ گوئی سخن است

جس جا ہو خوش ہے ساتھ و لطف چمن ۔ دل کا وہی مسکن ہے وہی اپنا وطن

گر یار دو پیرست تجھے تو سچا ۲۷ ۔ اور زاہد و شیخی ہیں تو ہیں بے جا سخن

دنیا طلباں را کہ غم دنیا را است — بے بہرہ ز شاں بیکسی بسیار است

۲۸

از عقرب و مار ہیچ اندیشہ مکن — زیں قوم حذر بکن کہ نیش و خار است

دنیا والوں کو ہے جو الفت کی دنیا — آپس میں نہیں رکھتے محبت زنہار

۲۸

ہے عقرب و مار سے عبث خوف تجھے — ان لوگوں سے ڈر کہ ہیں یہ نیش و خار

تا چند تو گوئی ز بادہ کہ بسیار نکوست — از خرقہ کشی خمار صد فتنہ دروست

۲۹

بے شبہ حلال است بگوئی تو حرام — کیفیت ایں ہر کہ بیابد ہمہ اوست

اے شیخ شراب پی کہ بہتر ہے یہی — خرقہ میں ہیں سو فتنے نہ کر خرقہ کشی

۲۹

کیوں کہتا ہے تو حلال نعمت کو حرام — آتا ہے جو کیف اس سے سب کچھ ہے وہی

ایام شباب شعر و انشا بہتر است — الفت بگل و ساقی و مینا بہتر است

۳۰

پیری چو رسید ترک دنیا بہتر است — ہر لحظہ خیال و فکر عقبیٰ بہتر است

ہے وقت شباب شعر و انشا بہتر — اور عشق مے و ساقی و مینا بہتر

۳۰

آتے ہی بڑھاپا ترک دنیا بہتر — ہر لحظہ خیال و فکر عقبیٰ بہتر

اندیشہ مال و جاہ دنیا غلط است — بے وہم و خیال فکر بیجا غلط است

۳۱

در خانہ تن وطن نہ باشد ہرگز — از بہر دو روز ایں تمنا غلط است

فکر و غم مال و جاہ دنیا ہے عبث — یہ وہم غلط ہے فکر بیجا ہے عبث

۳۱

یاں خانہ تن وطن نہیں ہے جاں کا — دو روز کے لیے یہ تمنا ہے عبث

دنیا ز ہوا و حرص بسیار پر است | ہر جا ست دلے در غم دنیار پر است

۳۲

بیمار بسے شربت دینار کم است | ایں خانہ ویرانہ ز بیمار پر است

ہے حرص و ہوا کی شے سے دنیا تنگ | دیکھو جسے رہتا ہے وہ فکر دینار

۳۲

بیمار بہت شربت دینار قلیل | ویرانہ دنیا ہے مقام بیمار

در عالم شوق قیل و قال دگر است | از طور سخن بیار حال دگر است

۳۳

سودازدۂ صورت معنی ہستم | فکرم دگر و راہ خیالم دگر است

ہے عالم شوق میں عجب قیل و قال | ہے یار کی باتوں سے دگرگوں احوال

۳۳

سودازدۂ صورت معنی ہوں میں | ہے فکر جدا میری نئی راہ خیال

ہر کس کہ ز حق توبہ کند نادان است | انسان نتوان گفت کہ حیوان است

۳۴

ایں سلسلہ جنبانِ غم جاناں است | ہر آتش افسردہ دلی ایمان است

توبہ جو کرے شراب سے ہے نادان | انسان نہ کہو اسکو کہو تم حیوان

۳۴

ہے سلسلہ جنبانِ غم جاناں ہے | ہر آتش افسردہ دلی ہے ایمان

آنرا کہ ہوس بیش بود ناکام است | ہر صبح کہ پیچ تاب رود در دام است

۳۵

ایں مال چہ از ملال بسیار و بال | ہر چند کم و بیش درو آرام است

جسمیں ہے ہوس زیادہ وہ ہے ناکام | دانہ کے لیے مرغ ہے وابستہ دام

۳۵

ہے مال و بال جس میں لاکھوں ہیں ملال | ملتا ہے مگر اس سے بہت کم آرام

هر کس که درین زمانه دارد وحشت　　باید که نگیرد ز کسی جز عبرت

۱۴۰

زآمیزش خلق کنج عزلت بگزین　　وز نیک و بد جهان طلب کن وحشت

جو شخص کہ اس جہاں میں ہے باہمت　　لازم ہے کسی سے کچھ نہ لے جز عبرت

۱۴۰

ہر وقت رہے سدا گوشۂ تنہائی میں　　ہر نیک و بد جہاں سے رکھے وحشت

نفعے بکسے اگر رسانی هنر است　　سود است درین و جستجو بیشتر است

۱۴۱

زین گوهر نایاب نگردی غافل　　این بحر پر آشوب جهان درگزر است

پہنچے جو کسی کو نفع تجھ سے کوئی　　ہے تیرے بڑے نفع کی بس تابی

۱۴۱

اس گوہر نایاب سے غافل مت ہو　　آشوب سے لبریز ہے بحر ہستی

آن شعله که یاقوت لب را رنگ است　　گوهر که محیط است شرر و سنگ است

۱۴۲

او در همه و زو است همه غافل خلق　　این معنی رنگین چه قدر بیرنگ است

یاقوت لب سرخ کا جو شعلہ ہے رنگ　　گوہر ہے محیط یا شرارہ ہے یا سنگ

۱۴۲

وہ چھپ رہا ہے اور ساری دنیا غافل　　یہ معنی رنگین ہے نہایت بیرنگ

دیدی که غم و عیش جهان زود گذشت　　چیزیکه در اندیشهٔ تو بود گذشت

۱۴۳

این یک دو نفس که ماند سرمایهٔ تو　　هشیار که نقصان نکنی سود گذشت

دیکھا کہ غم و عیش جہاں کچھ نہ رہا　　تھی فکر میں جسکی تری جان کچھ نہ رہا

۱۴۳

دو چار نفس جو اب ہیں سرمایہ ترا　　نقصان نہ کر نفع تو ہاں کچھ نہ رہا

دنیا نکنم طلب که کمتر ز خس است
بی دولتِ بیدار تو دین هم قفس است
۴۴
خواهانِ وصالم و همین است سخن
در خانه اگر کس است یک حرف بس است

دنیا نہیں چاہتا کہ کمتر ہے ز خس
بے دولتِ بیدار مجھے دین ہے قفس
۴۴
ہوں وصل کا خواستگار بس بات یہ ہے
ہو کوئی اگر گھر میں تو اک حرف ہے بس

هر نیک و بدی که هست در دستِ خداست
این معنی پیدا و نهان همه جاست
۴۵
باور نکنی گر و نگاه بنگر
این ضعفِ من و قوتِ شیطان ز کجاست

ہر نیک و بد جہاں کا مالک ہے خدا
اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا
۴۵
باور نہیں تجھکو تو ذرا غور سے دیکھ
کیوں قوتِ شیطان ہے کیوں ضعف مرا

سرمد که ز عشق سرمدی یافت
کز بادۂ عشق بیخودی یافت
۴۶
هشیار نشد ز تیغِ جلاد
منزل بمقامِ احمدی یافت

سرمد کو جو عشق سرمدی حاصل ہے
پی کر مے عشق بیخودی حاصل ہے
۴۶
جلاد کی تیغ سے جو غافل وہ رہا
منزل بمقامِ احمدی حاصل ہے

بی سرو قدی که رونمای یار است
بی سیمبری که زر ربای یار است
۴۷
آن یار گزین که هر چه خواهی بدهد
یاری که بکارِ تو بیاید یار است

جلوہ جو تجھے اپنا دکھائے ہے وہ دوست
زر جو ترے واسطے لٹائے ہے وہ دوست
۴۷
جو مانگے ادا بے عذر حوالہ کر دے
جو کام ترے وقت پہ آئے ہے وہ دوست

دل اگر دانا بود اندر کنارش یار ہست — چشم گر بینا بود ہر طرف دیدار ہست
۴۸ گوش اگر شنوا شود جز ذکر حق کو نشنود — ور زباں گویا بود در ہر سخن اسرار ہست

دل اگر دانا ہو تو پہلو میں ہر دم یار ہے — آنکھ بینا ہے تو ہر سو جلوۂ دلدار ہے
۴۸ گوش شنوا سن نہیں سکتا سوائے ذکر حق — ہے زباں گویا تو پھر ہر بات پر اسرار ہے

بتخانہ ہمیں دیر و حرم خانۂ اوست — ایں ارض و سما تمام کاشانۂ اوست
۴۹ عالم ہمہ دیوانۂ افسانۂ اوست — عاقل بود آں کسیکہ دیوانۂ اوست

کب اُس کا فقط کلیسہ و بتخانہ ہے — ہاں ارض و سما اُسی کا کاشانہ ہے
۴۹ کیونکہ ہمہ دیوانہ اُسی کا عالم — عاقل ہے وہی جو اُس کا دیوانہ ہے

صد شکر کہ دل از من خوشنود است — ہر دم بکرم و ہر نفس در جود است
۵۰ نقصان من از مہر و محبت نرسید — سودا کہ دلم کرد تمامش سود است

صد شکر مرا یار ہے مجھ سے خوشنود — ہر وقت کرم ہے ہر گھڑی بارش جود
۵۰ نقصان نہ کچھ مہر و محبت میں ہوا — سودا جو کیا دل نے سراپا ہے وہ سود

انساں کہ شکم سیری از یک نان است — از حرص و ہوا شام و سحر نالان است
۵۱ در بحر وجودش نگر طوفان است — آخر چو حباب یک نفس مہمان است

اک نان سے ہوتا ہے شکم سیر انساں — پر حرص و ہوا سے رات دن ہے نالاں
۵۱ دریائے وجود میں ہے طوفان مگر — ہے مثل حباب ایک دم کا مہماں

خواهی که کشی رنج و نباشی زحمت
از هر دو جهان کناره بگزین عزلت

۵۶

هر چند که سر ز رنج پیچی راحت نیست
گر هست همین است بدنیا راحت

خواہش ہے اگر کہ ہو نہ رنج و زحمت
بھاگ اس جہاں سے ڈھونڈھ کنج عزلت

۵۶

گوشے زمیں پہ نہیں راحت کا پتہ
لیکن ہے اگر تو بس یہی ہے راحت

این جسم لطیف قصر فنا بنیاد است
این شعله خس و رشته بر باد است

۵۷

از دام اجل ترا رهائی نبود
صیدی و سروکار تو با صیاد است

ہے جسم تو اقسام فنا کی بنیاد
اک پھونک میں یہ شعلۂ خس ہو برباد

۵۷

ممکن ہی نہیں اجل سے بچنا غافل
تو صید ہے رکھ دل میں ہوائے صیاد

از بهر دو روز فکر دنیا غلط است
دل بستن سبزه صحرا غلط است

۵۸

با نیم نفس هر نفس در گذری
این حرص و هوا و این تمنا غلط است

دو دن کیلئے یہ فکر دنیا ہے عبث
جنگل کی آبادی و صحرا ہے عبث

۵۸

ہر سانس ہے چل چلاؤ میں مثل نسیم
ہر حرص و ہوا و ہر تمنا ہے عبث

دنیا طلبان از پی راحت کاهست
تا آخر عمر فکر زر و دینار است

۵۹

این طایفه را خیال مردن نبود
پیوسته شکم سیم و زر بسیار است

دنیا طلبوں کو لطف سے کیا سروکار
ہے تا دم مرگ ان کو فکر دنیا

۵۹

ان لوگوں کو تا نہیں مرنے کا خیال
پیہم شکم سیم و زر ہے گردن کا ہار

از ہر وہم دنیا و ز دنیا وحشت ہر چند بگیری بکت آری راحت
ہنگام بہار وہم خزان شش پدم ۶۰ در باغ جہان نیست گلے جز عبرت

دکھ اہل جہاں سے اور جہاں سے وحشت گو ملتی ہو تجھ کو ان کو دم سے راحت
دیکھی ہے بہار بھی خزاں بھی لیکن ۶۰ اس باغ میں گل کوئی نہیں جز عبرت

ہر چند گل و خار درین باغ خوش است بے یار دل از باغ نہ از راغ خوش است
۶۱
چوں خون دلم لالہ ہمیں رنگ است این چشم و چراغ نیز با داغ خوش است

ہر چند ہوئے ہیں خار و گل زینت باغ بے یار نہ باغ دل کو بھاتا ہے نہ راغ
۶۱
ہم رنگ ہے لالہ مرے خون دل کا یہ چشم و چراغ باغ بھی ہے پر داغ

از حد و حساب کار عصیان بگزشت در توبہ و انفعال یاران بگزشت
۶۲
از شامت غفلت ہمہ سیم وصال عمرم ہمہ در دوری جانان بگزشت

عصیاں کی مرے نہ کوئی حد ہے نہ شمار اب توبہ و انفعال بھی ہے بے کار
غفلت سے نصیب وصل جاناں نہ ہوا ۶۲ سب عمر ہوئی صرف فراق دلدار

چندان فلک و ملک نعیم و زر است کہ وقت نماز ہم بفکر دگر است
۶۳
در وہم و خیال این و آن ششدر است از فکر مآل کار خود بے خبر است

اتنا دل ناداں کو غم نقرہ و زر ہے ہے وقت نماز بھی اسکو فکر دگر ہے
یہ فکر و غم وہم و خیال آٹھ پہر ہے ۶۳ انجام کی ہے فکر نہ عقبےٰ کی خبر ہے

سرمد اگرش وفاست خود می آید   گر آمدنش رواست خود می آید

بیہودہ چرا درپے او می گردی   ۶۲   بنشین اگر او خداست خود می آید

سرمد ہے اگر وفا تو خود آئے گا   آنا ہے اگر روا تو خود آئے گا

اس کے لیے کیوں پھرتا ہے مارا مارا   ۶۲   تو بیٹھ وہ ہے خدا تو خود آئے گا

ایام شباب زور شیطاں نرسید   بر دامن من غبار عصیاں نرسید

پیری چو رسید معصیت گشت جواں   ۶۳   دردے عجبے رسید و درماں نرسید

کام آیا جوانی میں نہ زور شیطاں   دامن نہ ہوا تر ز شراب عصیاں

پیری میں گناہوں پہ جوانی آئی   ۶۳   وہ درد ہے یہ نہیں ہے جس کا درماں

راضی دل دیوانہ بہ تقدیر نشد   فارغ ز خیال و فکر و تدبیر نشد

ایام شباب رفت و باقیست ہوس   ۶۴   ما پیر شدیم و آرزو پیر نشد

راضی بہ رضا کب دل دیوانہ ہوا   کب محو خیال فکر و تدبیر ہوا

باقی ہے ہوس اور جوانی گزری   ۶۴   حسرت ہے جواں اور میں پیر ہوا

یاراں چہ قدر راہ دو رنگی دارند   مصحف بہ بغل، دل بہ فرنگی دارند

پیوستہ ہمہ چو مہرہ ہائے شطرنج   ۶۵   در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

ہے یاروں میں کس قدر دو رنگی   قرآن بغل میں۔ دل فرنگی

شطرنج کے مہرے ہیں یہ گویا   ۶۵   رکھتے ہیں خیال خانہ جنگی

غمگین نشوی گر دلی از شست بدر جهد　　خوشنود مشو که پیش پیوست بدر نهد
گر شکر این دولت سرمد بکنی　۸۴　پیوسته بدر نهاد از پیش پیوسته بدر نهد

رنجیدہ ہو گر تجھے دل ریش دیا　　خوش کیوں نہ ہو بہت گر تجھ کو دیر دیا
اس دولت سرمد پہ ادا کر تو شکر　۸۴　جو کچھ کبھی دیا تجھ کو بہت بیش دیا

در دہر مثال غفلت نبود　　خواہش بتر از خواہش رفعت نبود
ہشیار دم پیری کہ در آخر وقت　۸۵　حاصل دگرت بجز ندامت نبود

دشمن ہے تری جہاں میں غفلت تیری　　اور سب سے بری خواہش رفعت تیری
ہشیار ہو ہشیار کہ وقت آخر　۸۵　رسوا نہ کرے تجھ کو ندامت تیری

ہر گلہ یار نکو شد کہ نشد　　لب بیہودہ گفتار نکو شد کہ نشد
منت کش دہر ہی شدی آخر کار　۸۶　کاری کہ ز تو کار نکو شد کہ نشد

کچھ یار کا شکوہ نہ ہوا خوب ہوا　　بیہودہ دہن وا نہ ہوا خوب ہوا
منت کش ہر کسی کو ہونا پڑتا　۸۶　جو کام کبھی ایسا نہ ہوا خوب ہوا

بنگر کہ عزیزان ہمہ در خاک شدند　　در صحبتم کہ فنا بر افلاک شدند
آخر ہمہ را خاک نشین باید شد　۸۷　گیرم کہ برفعت ہمہ افلاک شدند

کتنے ہی عزیز آخرش خاک ہوئے　　صہبا و اجل کے زیب فتراک ہوئے
ہوتا ہی پڑا خاک انہیں آخر کار　۸۷　مانا کہ وہ رفعت میں سہا افلاک ہوئے

این مردم دنیا همه بدخواه هم اند — یاران نکوکار چه بسیار کم اند
۱۰۰
خوشوقتی دل به بوالهوس بسیار است — آنها که عزیز اند گرفتار غم اند

بدخواہ ہیں سب اہل جہاں آپس میں باہم — ہیں نیک کبھی نیکو و نکو آدمی ہیں کم
۱۰۰
خوشوقتی دل بوالہوسوں سے ہے مگر — جو لوگ عزیز ہیں وہ ہیں بستۂ غم

ہر کس پئے نانے بجہان دوست بود — یک دوست ندیدیم ز جان دوست بود
۱۰۱
چون سگ ز پئے لقمہ بہر در بدوند — اینها که ز نام و نشان دوست بود

ہر شخص جہاں میں دوست ہے نان کا یہ — یکسر کو کبھی دیکھتے نہیں جان کا ہے
۱۰۱
در در پئے لقمہ پھرتے ہیں صورت سگ — یہ دوستی کا رنگ عجب شان کا ہے

طول امل عمر بآخر نرسید — دیوانہ دلم عاقبت کار ندید
۱۰۲
شبہا بخیال خواب غفلت بگذشت — اکنون چہ کنم کہ صبح صادق بدمید

طول امل عمر نہیں ہوتا تمام — دل کو نظر آتا نہیں اپنا انجام
۱۰۲
شبہائے شباب خواب غفلت میں کٹیں — ایسا کیا کروں میں ہوئی یہ سحر کا ہنگام

گاہے کہ دلم حساب کردار کند — چندین غم و اندوہ بخود یار کند
۱۰۳
بیش از نفسے ندیدم این کار کند — کاریکہ ندامت است پیدا نکند

دل کاش کبھی حساب کردار کرے — کچھ اپنے غم و شرم کا اظہار کرے
۱۰۳
دیکھا نہ کبھی کہ ہو ندامت جس سے — اس کام کے کرنے سے یہ انکار کرے

دل در پئے لیلیٰ حقیقت مجنوں شد — در راہ الم ہر چہ وطن بود ہامون شد

در پیری تو محبت ما گشت جوان ۱۰۴ — ہنگام خزاں جوش بہارا افزوں شد

اک لیلیٰ حضرت کیلئے دل ہو گیا مجنوں — غربت میں وطن میرے لیے بن گیا ہامون

پیری میں جوانی کی امنگیں ہیں پیدا ۱۰۴ — ہنگام خزاں جوش بہاراں افزوں

آنکس کہ ترا تاج جہانبانی داد — ما را ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید ۱۰۵ — بے عیباں را لباس عریانی داد

جسنے تجھے بخشا ہے یہ تاج جہانبانی — اس نے ہی دیا مجھکو سامان پریشانی

پہنایا لباس اسکو عیب جسے پایا ۱۰۵ — بے عیب جسے دیکھا بخشی اسے عریانی

جز بادۂ شوق دوست عشرت نبود — بے درد کسے نشہ وحدت نبود

میخانۂ عالم کہ پر از درد سرست ۱۰۶ — خالی ز خمار و رنج و محنت نبود

شراب عشق جاناں کے سوا کب ہے کوئی عشرت ۱۰۶ — نہیں بے درد کو حاصل نشۂ وحدت

پر ہے درد سر سے عالم ہستی کا میخانہ — بہت کچھ اس میں ہے رنج و خمار و درد و محنت

ابنائے زمانہ بیکار گر دل تنگ اند — پیوستہ بخود چو شیشہ و آہنگ اند

قانون وفا و مہر برداشتہ اند ۱۰۷ — واکم بخدا ہم آشتی در جنگ اند

آپس میں ہیں سب اہل زمانہ دلتنگ — ملتے ہیں مگر سب کا جدا ہے آہنگ

قانون وفا و مہر سے کام نہیں ۱۰۷ — ہیں صلح کے بدلے رات دن اہل جنگ

ہر کس بخیال او ہم آغوشش بود　　دیوانۂ تماشا ہمہ مدہوشش بود
کیفیت این نشہ بکس ظاہر نیست　۱۱۲　این بادہ نہان ہمیشہ در جوشش بود

جو اس کے خیال سے رہا ہم آغوش　　ہرگز نہیں دیوانہ وہی ہو ذی ہوش
اس نشہ میں جو کیفیت ہو تو کیا جانے　۱۱۲　کھاتی ہے یہ صہبائے نہاں ہر دم جوش

از منصب عشق سرفرازم کردند　　وز منت خلق بے نیازم کردند
چون شمع دریں بزم گدازم کردند　۱۱۳　از سوختگی محرم رازم کردند

یہ منصب عشق سے سرافراز ہوا　　دنیا سے غرض کیا ہے کہ ممتاز ہوا
اس بزم میں جوں شمع گدازی پا کر　۱۱۳　اتنا میں جلا کہ محرم راز ہوا

ہر چند کہ عصیان مرا مے دانند　　بر خوان کرم ہر لطفے می خوانند
در خوف و رجا بسے تأمل کردم　۱۱۴　بیش از ہمہ مائل بکرم می مانند

ہر چند کہ ہے میرے گناہوں کی خبر　　کیا پھیرتا ہے مجھ سے عنایت کی نظر
ہاں خوف و رجا میں غور میں نے کیا　۱۱۴　مائل بہ کرم ہی اسے پایا اکثر

بگذر ز خودی کہ دین فقیرت گردد　　ہر ذرۂ اقبال بپایت گردد
در ہر دو جہان سکہ بنامت شاید　۱۱۵　عالم ہمہ در زیر نگینت گردد

گر ترک خودی کہ اپنا دین ہو جائے　　ہر ذرۂ اقبال مطیع ہو جائے
سکہ ترے نام کا دو عالم میں چلے　۱۱۵　اور سارا جہاں زیر نگیں ہو جائے

یاران سخنے ہست اگر گوش کنید — تا دست رسد بساغرے نوش کنید

از پہلوئے جام جم بدولت برسید ۱۲۰ این حرف مبادا کہ فراموش کنید

اک میری نصیحت ہے سنو ہوش کرو — ہاتھ آئے تو جہاں تک تمہیں ہو نوش کرو

پائی ہے اسی جام سے دولت جم نے ۱۲۰ ایسا نہ ہو، یہ بات فراموش کرو

اہل دنیا ز خدا بے خبر اند — ہر شام و سحر در طلب سیم و زر اند

از پہلوئے ہیچ گرچہ کیسہ پر تر اند ۱۲۱ ہر چند کہ چون باد صبا در گذر اند

اہل دنیا ہیں خدا سے بے خبر — سیم و زر کی ہے طلب شام و سحر

رکھتے ہیں اپنی کیسہ کس قدر ۱۲۱ گرچہ ہیں مثل صبا بوقت سفر

یارب بکسے مرا رسائی نبود — امید وفا و آشنائی نبود

۱۲۲

در دائرہ تجربہ پابند شدم — غیر از در رحمت تو رہائی نبود

یارب نہیں کسی تک میری کہیں رسائی — رکھتا نہیں کسی سے امید آشنائی

زندان تجربہ میں ہوں میں اسیر ایسا ۱۲۲ رحمت نہ ہو جو تیری ممکن نہیں رہائی

ہر کس ز خدا دولت و دین می طلبد — یا سیمبرے ماہ جبین می طلبد

۱۲۳

بیچارہ دل من نہ آن و این می طلبد — خواہان وصال ست و ہمین می طلبد

ہر شخص خدا سے مال و دیں چاہتا ہے — یا اک صنم ماہ جبیں چاہتا ہے

دل کو مرے اس سے ہے نہ اس سے مطلب ۱۲۳ پہ وصل اسی کا ہمنشیں چاہتا ہے

ای زاہد خود فروش ہرگز مغرور — باید نشوی کہ تا نگردی رنجور
گویند ترا زاہد و ہستی فاسق — ۱۲۸ برعکس نہند نام زنگی کافور

اے زاہد خود فروش مت ہو مغرور — گرشے نہ ترا غرور تجھ کو رنجور
زاہد تجھے کہتے ہیں مگر فاسق ہے — ۱۲۸ برعکس رکھا ہے نام زنگی کافور

عصیان من و احسان تو باید شمار — بیحد و حساب کے بیاید بشمار
گر پیش خود این حساب صد سال کنم — ۱۲۹ لطف تو نہ جرم من آید بشمار

ہیں بے حد گنہ تیرا کرم حد سے سوا — ہو سکتا نہیں حساب بالکل ان کا
سو سال اگر شمار میں ان کا کروں — ۱۲۹ کچھ حد کرم ملے نہ کچھ حد خطا

از مردم دنیا بخدا گیر کنار — تا دل بکشد سوی راحت بکنار
۱۳۰
سررشتہ اختلاط از دست بدہ — سرمایۂ آرام و فراغت کف آر

ہے مردم دنیا سے جدائی بہتر — ہو وصل عروس عیش گر انظر
ہاں صحبت اختلاط ہرگز نہ رہے — ۱۳۰ گر اس سے آرام و فراغت بہتر

سررشتہ اختیار با یار گزار — خود را ز غم و محنت بیہودہ برآر
۱۳۱
این عمر گرامی کہ تماشی ہوس است — با یار بسر بغفلت مسپار

دے یار کو اختیار اپنا ہمدم — ہرگز نہ اٹھا رنج و ملال پیہم
یہ عمر گرامی کہ ہوس ہے بالکل — ۱۳۱ غفلت میں نہ کھو اسکو بسر کر پیہم

دل را بخیال یار خوش شو دیدار — سر رشتهٔ این دولت سرمد بکف آر
گنج است کہ رنجش نبود آخر کار — سوداست کہ سود بیش بود افزون شمار ۱۳۶

رکھ دل کو تو خوش کر کے خیالِ دلدار — یہ دولتِ سرمدی نہ کھونا زنہار
وہ گنج ہے یہ جسکا نتیجہ ہے خوشی — اس سودے کے سود کا نہیں کچھ بھی شمار ۱۳۶

یارب ز کرم مرا ز گرداب برآر — از بحر گناہ کشتیم کن بکنار
جرم من و احسان تو بے حد و حساب — این طرفہ حساب است کہ ناید بشمار ۱۳۷

یارب نہ ڈبو دے مجھے طوفان اکبار — کر بحرِ معاصی سے سفینہ مرا پار
حد جرم کی میرے ہے نہ ترے احسانکی — اسکا ہے حساب کچھ نہ اسکا ہے شمار ۱۳۷

ممکن نبود کہ یار آید بکنار — خود را ز خیالِ خام و اندیشہ برآر
ہر چیز کہ غیر اوست و بینی نقش است — بسیار حجابے است میان تو و یار ۱۳۸

ممکن نہیں پہلو میں ہو جلوہ اسکا — اس وہم و خیالِ خام سے تو باز آ
جو چیز ہے غیر وہ ہی تیرے لئے ہیں — لاکھوں ہیں حجاب جب تو ملتا کیا ۱۳۸

دل از غم عشق خاک شد آخر کار — سر رشتہ این عمر ابد را بکف آر
خواہی کہ نصیب تو شود بوس و کنار — زنہار از و مگیر یک لحظہ کنار ۱۳۹

دل عشق میں خاک ہو گیا آخر کار — یہ عمر ابد ہے ترک اس کا دشوار
گر چاہے میسر ہو تجھے بوس و کنار — اک لحظہ نہ چھوڑنا خیالِ دلدار ۱۳۹

یارب چه کنم گذشت جرمم ز شمار　　کشتی دل خسته ز گرداب برآر
در بحر خجالت و ندامت غرقم　　۱۴۰　　فضل تو کند چاره بگیر و بکنار

کیا کروں یارب گناہوں کا نہیں میرے شمار　　کشتی دل کو مرے کر اس بھنور سے جلد پار
غرق دریائے خجالت ہوں بہت نادم ہوں میں　　۱۴۰　　اب ترا ہی فضل ہے میرا معین و چارہ کار

از ماه رخان اگر نگیری تو کنار　　لذت نبری بیشتر از بوس و کنار
این سیمبران شیفتهٔ سیم و زراند　　۱۴۱　　نقد دل و جان بدست ایشان مسپار

چھوڑ اللہ اگر تو نے بتوں کو زنہار　　کیا لطف ملے گا زائد از بوس و کنار
ہیں سیمبران خلق زر کے بندے　　۱۴۱　　کر نقد دل و جاں کو نہ تو ان پہ نثار

جرم من و فضل یار افزون ز شمار　　این هیچ حسابیست که من دانم و یار
چشم کرمش عاشق حسن گنه است　　۱۴۲　　زنهار ز کردار بد اندیشه مدار

کب میرے گنہ اس کے کرم کا ہے شمار　　یہ تو وہ حساب ہے کہ میں جانوں کہ یار
ہے اس کا کرم حسن خطا پر عاشق　　۱۴۲　　کچھ خوف گناہوں سے نہ کرنا زنہار

هر جا که بود ساقی گلفام دوچار　　شکرانه این نماز اول بگزار
غافل نشوی ز رشتهٔ عجز و نیاز　　۱۴۳　　هشیار که غافل نکشی رنج خمار

ہو جب کہیں وہ ساقی گلفام دوچار　　کر پہلے ادا سجدہ شکر غفار
کم ہو نہ سر رشتۂ عجز و نیاز　　۱۴۳　　ہشیار کہ پھر تجھے نہ کھینچے رنج خمار

چیزے کہ درو عیب بود نیست ہنر
آمیزش خلق ہست بسیار بتر
بسیاری اختلاط ہر دم رنج است ۱۴۴
کم کن تو بہر چند کہ کمتر بہتر

جو چیز کہ پُر عیب ہو اور بدتر ہے
آمیزش خلق وہ وبال سر ہے
ہے رنج زیادتی سے ملنا جلنا ۱۴۴
جتنا بھی ملو لوگوں سے کم بہتر ہے

چوں ہست ہمی لفظ ما و او را بنگر
چوں چشم و نگہ جدا و یکجا بنگر
یکدم ز یکے جدا نیابی ہرگز ۱۴۵
مانند گل و بوست بہ ہر جا بنگر

معنی ما و او کا میر تجھ پہ کھلا بھی
چشم و منظر کی صورت یکجا بھی ہیں اب بھی
پائیگا تو نہ ہم کبھو دو نہیں تجھ سے جدا بھی ۱۴۵
ہے جیسا کہ گل اور خوشبو دیکھو تو دونو یکجا بھی

من جرم ہمہ و لطف تو دارم بنظر
پیوستہ ازیں ہر دو حساب است خبر
از من چہ شد چہ ہمی کند احسانت ۱۴۶
میزان تامل شدہ ام شام و سحر

ہے اپنی خطا تیری عنایت پہ نظر
رکھتا ہوں میں ان دونوں حسابوں کی خبر
کیا مجھ سے ہوا کرتا ہے کیا تیرا کرم ۱۴۶
رہتا ہوں اسی فکر میں میں شام و سحر

دل خوش نشوی ز وصل مینا ہرگز
با مہر و فا ندیدم ز اینہا ہرگز
جز ساقی و جام نیست غمخوار کسے ۱۴۷
از دست مدہ گردن مینا ہرگز

وصل مینا سے خوش نہ ہو تا ہرگز
پوری نہیں کرتی یہ تمنا ہرگز
غمخوار ہے کون جام و ساقی کے سوا ۱۴۷
چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے مینا ہرگز

ایں رشتۂ طول امل از دل بگسل تا در دو جہاں کنی فراغت حاصل
ایں گلشن عمر آں قدر نیست کہ ہست ۱۶۸ در باغ خیال بود غنچۂ دل

ہاں توڑ دے دل سے رشتۂ طول امل تا دونوں جہاں میں ہو میسر تجھ کو کل
یہ گلشن عمر اس قدر کب ہے کہ ہے ۱۶۸ گلزار خیال میں ترے اسکا عمل

ایں مال جہاں تمام رنج است و ملال اندیشۂ کن بیش کی وہم است و خیال
کاریکہ ز اول بودش رنج و ملال ۱۶۹ دانستہ ز آخرش وبال است مآل

یہ مال جہاں ہے سر بسر رنج و ملال کر غور ذرا کہ ہے یہ بس وہم و خیال
جس کام کا آغاز ہو رنج و اندوہ ۱۶۹ لازم ہے کہ ہو وبال جاں اسکا مآل

آنرا کہ بود بہرہ از عقل کمال بیروں رود از دائرۂ فکر محال
در گوشۂ میخانہ تماشہ بکشد ۱۷۰ شمع است یکے ہزار فانوس خیال

حاصل ہے جو دانا ہیں جنہیں عقل کمال ہو دائرۂ فکر سے باہر یہ محال
میخانہ میں جا دیکھ تماشا غافل ۱۷۰ اک شمع ہی سیکڑوں ہیں فانوس خیال

ایں جہل تمنا است کہ در موسم گل از بہر چہ رو کشم بسر موسم گل
ہر گاہ شود دو چار پندار بہار ۱۷۱ گر فصل خزان است گر موسم گل

یہ جہل تمنا ہے کہ جب آئے بہار میرے لیے فاصل وقت ہے جائے بہار
گر چاہے تو ہر وقت تماشہ ہے یہی ۱۷۱ ہو فصل خزاں کی بھی تو سمجھے بہار

از عاقبت کار چو گشتم غافل — شد عمر بیہودہ و کارم باطل
۱۷۲
پیوستہ بخود ہمیں حکایت دارم — زین عمر گرانمایہ چہ کردی حاصل

عقبیٰ سے رہا ہمیشہ غافل — سب عمر ہوئی یونہی و اعمال باطل
۱۷۲
ہر وقت یہی پوچھتا ہوں اپنے سے — اس عمر گراں سے کیا کیا حاصل

افسوس از اندیشہ و فکر و خیال — سرمایۂ عمر شد بغفلت پامال
۱۷۳
از فکر مآل کار بیگانہ شدم — ہر فکر کہ کردیم ہمہ است محال

افسوس گیا دل سے نہ دنیا کا خیال — غفلت میں ہوئی زندگی اپنی پامال
۱۷۳
کچھ فکر مآل کار ہی میں نے نہ کی — جو فکر ہوئی وہ تھی خیال محال

فصل خزاں توبہ شکستن مشکل — با ساقی و مے عہد بہ بستن مشکل
۱۷۴
ہنگام خزاں بہار آمد بکنار — زین در شکست و بستن مشکل

توڑنا توبہ کا ہنگام خزاں مشکل ہے — ساقی و مے سے محبت کرنا مشکل ہے
۱۷۴
آہ اب فصل خزاں میں جو بہار آئی ہے — اس سے جو بات تھی مشکل وہ کہاں مشکل ہے

با نفس ستمگار بجنگم ہر دم — در بحر وجود خود نہنگم ہر دم
۱۷۵
روباہ بود حرص و ہوا در نظرم — در بیشۂ اندیشہ پلنگم ہر دم

ہوں نفس ستمگار سے میں در پئے جنگ — دریائے وجود کا ہوں اپنے میں نہنگ
۱۷۵
ہے میری نظر میں لومڑی حرص و ہوا — میں بیشۂ اندیشہ میں ہوں ایک پلنگ

من معنی احسان و کرم فہمیدم — ویران تا اہل شدم و سنجیدم
چشم کرمش عاشق حسن گشتہ است — آنجا سخنے نیست فکر رسیدم ۱۶۶

میں نے بھی احسان و کرم کو سمجھا — جب غور کیا خوب سمجھ میں آیا
ہے اسکا کرم حسن خیالی مشغول — ہاں اور کوئی بات نہیں اسکے سوا ۱۶۶

تا کے بدل اندیشۂ اعمال کنم — غمگین شوم و خیال احوال کنم
فضل کریم و اندیشہ چرا — از ماضی و از مستقبل از حال کنم ۱۶۷

آخر کب تک میں فکر اعمال کروں — رنجیدہ ہوں خیال احوال کروں
جب فضل پہ تکیہ ہے تو کیا فکر مجھے — کیوں رنج و ملال ماضی و حال کروں ۱۶۷

در دائرۂ خیال او پابندم — صد شکر بیادش ہمہ دم خرسندم
از دام ہوا و حرص دنیا رستم — این بار گران دوش دل افگندم ۱۶۸

پابند خیال کا رہا ہوں بخدا — خوش یاد سے اسکی ہے دل زار مرا
حاصل ہوئی دام حرص دنیا سے نجات — صد شکر یہ بوجھ میرے سر سے اترا ۱۶۸

یا رب تو عطا کن ز قناعت گنجم — عمریست کہ از حرص و ہوا در رنجم
دیں را نتوان کرد بہ دنیا سودا — ہر لحظہ بجو سود و زیاں می سنجم ۱۶۹

دے مجھکو خزانۂ قناعت یا رب — مدت سے غم حرص و ہوا ہے بے ڈھب
دنیا سے نہ دین کا کروں گا سودا — میں جانتا ہوں سود و زیاں اسکا سب ۱۶۹

گر والہ و شیدا و بلا جوئی ہستم گر شیفتۂ ایاغ کوئی ہستم

گر طالب جاہ و گاہ و دنیا طلبم ۱۸۴ گر شیفتۂ این سماع کوئی ہستم

گر عاشق و شیدا و بلا جو ہوں تو کیا ہاں سچ ہے کہ ہوں ایک جام فنا

طالب ہوں کبھی میں بھی دنیا کا ۱۸۴ سرگشتہ ہوں میں نہیں جھوٹ ذرا

دیوانۂ رنگینیٔ یارِ دگرم حیرت زدۂ نقش و نگارِ دگرم

عالم ہمہ در فکر و خیال دگر است ۱۸۵ من در غم و اندیشۂ کارِ دگرم

جس کی رنگینی کا دیوانہ ہوں میں وہ اور ہے شمع جس کے رخ کا پروانہ ہوں میں وہ اور ہے

اور ہے وہ جس کا اس دنیا کو رہتا ہے خیال ۱۸۵ جس شرابِ غم کا مستانہ ہوں میں وہ اور ہے

از اشکِ جگر تمام دریا شدہ ام آشفتہ و دیوانہ و صحرا شدہ ام

از صحبتِ ہمدمان جدا قسمتم ۱۸۶ تنہا شدہ ام رفیقِ عنقا شدہ ام

اشک سے دریا کہ میرا اشکوں کا دریا ہو گیا کر کے وحشت ہو کے دیوانہ میں صحرا ہو گیا

ہمدموں کا صحبت تنہا چھوڑا یاراں ۱۸۶ رہ گیا تنہا میں ہمراہ دوست عنقا ہو گیا

این جوشِ حباب از قدیم است قدیم این نقشِ سراب از قدیم است قدیم

اندیشہ مطرح نو است این کہنہ رباط ۱۸۷ این خانہ خراب از قدیم است قدیم

یہ جوش حباب بھی ہمیشہ سے ہے اور نقش سراب بھی ہمیشہ سے ہے

اندیشہ نہ کر کہ نو ہے اپنا کہنہ رباط ۱۸۷ یہ خانہ خراب بھی ہمیشہ سے ہے

هر لحظه گرفتار بلای تقصیرم
از خواهش دل شام و سحر دلگیرم

۱۸۸

خواهم که ازین دام رهائی بیرم
تقدیر اگر نیست درین تدبیرم

ہر لحظہ اسیر جرم و تقصیر ہوں میں
ہاں خواہش دل سے سخت دلگیر ہوں میں

۱۸۸

اس دام سے ہو گر رہائی مجھ کو
تقدیر نہیں تو محو تدبیر ہوں میں

آشفتۂ آن زلف گرہ گیر شدم
تدبیر نہ این بود ز تقدیر شدم

۱۸۹

در حلقۂ آن زلف اسیرم کردند
از شومی عقل پا بہ زنجیر شدم

پھر شیفتۂ زلف گرہ گیر ہوا
پھر شکوہ گر گردش تقدیر ہوا

۱۸۹

پھر حلقۂ گیسو کی پڑی ہے بیڑی
بے عقلی سے پھر میں پا بہ زنجیر ہوا

در زیر فلک عیش نہ کردم یکدم
شد عمر گرامی بسر از درد و الم

۱۹۰

در دولت دنیا و طرف نقصانست
بسیاری او رنج و کمی مایۂ غم

کب زیر فلک عیش ملا ہے کوئی دم
سہتا رہا عمر بھر میں درد و الم

۱۹۰

اس دولت دنیا میں ہے نقصان کی طرح
ہے رنج زیادتی کمی مایۂ غم

از کردۂ خویش منفعل بسیارم
عمر [illegible]

۱۹۱

چیزی کہ نبایدت شود از من شد
بر فضل نظر بکن نہ بر کردار

اپنے افعال سے نہایت ہی مجھے شرمندگی
عمر آزار گنہ میں زندگی سب ہو گئی

۱۹۱

جو نہ کرنا چاہئے تھا مجھ کو وہ سب کچھ کیا
دیکھ اپنے فضل کو مت دیکھ تو کاری

افسوس کہ از خواہش دل مردودم — در راہ غرور نفس خود بیمودم

چوں پیر شدم قبول دنیا کردم ۱۹۲ ایں بار گراں چرا بخود افزودم

خواہش دل کی بدولت ہوا مردود ازل — نفس مغرور کے رستہ میں چلا میں بے کل

جب ہوا پیر تو دنیا کو کیا میں نے قبول ۱۹۲ آہ کیوں بوجھ اٹھایا ہے یہ ہنگام اجل

من تخم ہوس کاشتہ ام مسکینم! — صد رنگ گل داغ از و می چینم!

طوفاں بشود اگر نہ گردد خاموش ۱۹۳ ایں آتش خواہش کہ بخود می بینم!

کی تخم ہوس کی کاشت کیوں ہے نہ ملال — اب چنتا ہوں گلہائے غم و رنج کمال

طوفاں دہ ہوگی - گر نہ خاموش ہوئی ۱۹۳ جس آتش خواہش نے کیا ہے یہ حال

در معصیتم جواں بظاہر پیرم — عمریست کہ پابند بایں زنجیرم

امید نجات ست ز یک فضل ترا ۱۹۴ ہر چند گرفتار بصد تقصیرم

معصیت میں تو جواں ہوں گو بظاہر پیر ہوں — اک مدت سی میں پابستہ زنجیر ہوں

ایک تیرے فضل سے امید بخشش ہے ضرور ۱۹۴ گرچہ پابند گنہ ہوں پیکر تقصیر ہوں

از فضل خدا ہمیشہ راحت دارم — با نان جوم قانع و ہمت دارم

نے بیم ز دنیا و نہ اندیشہ دیں ۱۹۵ در گوشہ میخانہ فراغت دارم

ہمیشہ فضل خدا سے نصیب راحت ہے — ہوں جو کی روٹی پہ قانع عجیب ہمت ہے

نہ مجھکو خطرہ دنیا نہ دین کا کچھ ڈر ۱۹۵ ہے اک گوشہ میخانہ در فراغت ہے

صد شکر کہ از یار ترحم دیدم احسان و کرم بجالِ خود فہمیدم

نخلے کہ نشاند ثمری بخشد ۱۹۶ آخر گلے از باغِ محبت چیدم

صد شکر کہ کرنے لگے وہ لطف و عنایت احسان و کرم حال پہ میرے ہے نہایت

جو پیڑ لگایا تھا وہ پھل لایا ہے اپنا ۱۹۶ آخر تو چنے گل گلزارِ محبت

رنگِ گل از گلشنِ صنعت چیدم معنیِ گناہ و مغفرت فہمیدم

در صورت اظہار بیے حیرانم ۱۹۷ آئینۂ صفت ہر چہ کہ دیدم دیدم

اک بار رنگِ گل گلشن صنعت چن لیا مغفرت اور معاصی کا میں مقصد سمجھا

کس طرح اسکا میں اظہار کروں حیران ہو ۱۹۷ صورتِ آئینہ لقصہ جو دیکھا دیکھا

ہائیم دریں دیار پیوستہ بجام ساقی بکنار ست و مے ناب بجام

زاہد چو خم بادہ بگوئی تو حرام ۱۹۸ ایں بادہ حلال ست بگیرم بجرام

حاصل مجھے دنیا میں ہے کیا آرام ساقی ہے بغل میں اور ہاتھ میں مے کا جام

زاہد تو خم بادہ کو کہتا ہے حرام ۱۹۸ یہ مے ہے حلال میں نہ سمجھونگا حرام

در سوز و گداز ہا تماشا کردم یک جا نہ ہزار جا تماشا کردم

سر رشتۂ روشنی بدست دگرست ۱۹۹ پروانہ و شمع را تماشا کردم

ہاں سوز و گداز میں نے کیا کیا دیکھا اک جا نہیں جا بجا وہ جلوا دیکھا

ہے اور ہی کوئی روشنی پر قابض ۱۹۹ پروانہ و شمع کا تماشا دیکھا

احسان و کرم ز جرم افزون دیدم حیران شدم و ہر دو طرف سنجیدم
پیش آمد کار من ندامت شد و بست ۲۰۰ معنی گناہ و مغفرت فہمیدم

احسان و کرم جرم و گنہ سے ہیں سوا پایا یہی ہر طرح سے جب غور کیا
جو کام کیے اُن سے ندامت ہی ہوئی ۲۰۰ معنیٔ گناہ و مغفرت اب سمجھا

افسوس کہ مخلوق پرستی کردم و ز ہمت پست رو بہ پستی کردم
این بادہ خمار داشت ہشیار شدم ۲۰۱ ایام شباب بود مستی کردم

افسوس کہ مخلوق پرستی ہی رہی اور ہمت پست رو بہ پستی ہی رہی
اس مے کے خمار سے ہوا اب ہشیار ۲۰۱ جبتک تھا شباب شان مستی ہی رہی

بسیار ضعیف و ناتوان ست دلم از جور جہانیان بجان ست دلم
گاہی غم دنیا و گہہ اندیشۂ دین ۲۰۲ زین رہ دو دلم کہ در میان ست دلم

بہت ضعیف بہت ناتواں ہے دل ستم سے اہل زمانہ کے نیم جاں ہے دل
کبھی تو ہے غم دنیا کبھی ہے دین کی فکر ۲۰۲ ہوا ہوں اس سے میں دو دل کہ درمیاں ہے دل

چیزیکہ من از جہان بجان می‌طلبم جان را بسلامت ز جہان می‌طلبم
از مردم دنیا و ز دنیا شب و روز ۲۰۳ دیگر ہوسم نیست امان می‌طلبم

کیا چیز جہاں سے بہر جاں چاہتا ہوں بس اپنی سلامتی یہاں چاہتا ہوں
دنیا والوں سے اور دنیا سے مجھے ۲۰۳ کچھ اور ہوس نہیں اماں چاہتا ہوں

ہر شام و سحر در غمِ افعالِ خودم — دلخستہ و شرمندۂ احوالِ خودم
آیا چہ بود مآل کارے کہ نشد — ۲۰۴ پیوستہ در اندیشۂ اعمالِ خودم

ہر شام و سحر ہے غمِ افعال مجھے — دلخستہ ہوں ہے صدمۂ احوال مجھے
کیا ہوگا مآل اس کا جو کچھ نہ ہوا — ۲۰۴ ہر وقت ہے اندیشۂ اعمال مجھے

محنت بجہاں کشید بسیار دلم — ہر شام و سحر بود در آزار دلم
ناگاہ خیالِ یار آید بکنار — ۲۰۵ زیں بارِ گراں گشت سبکبار دلم

دل پر غم و اندوہ کا تھا بار بہت — ہر شام و سحر رہتا تھا آزار بہت
ناگاہ خیالِ یار آیا جو مجھے — ۲۰۵ اس بار سے ہوگیا سبکبار بہت

اے محرمِ جان و دل بہ مہرِ تو قسم — شرمندۂ کردارِ خود و فضلِ توام
پیوستہ بخود حساب دارم ہر دم — ۲۰۶ از من عصیان و از تو احسان و کرم

اے محرمِ جان و دل تری سر کی قسم — افعالِ زبوں پہ اپنے نادم ہیں ہم
لیکن جو کیا حساب عقدہ یہ کھلا — ۲۰۶ ہم سے ہیں گناہ تجھ سے احسان و کرم

آنے کہ بدست تو بود شادی و غم — کس نیست بغیر از تو برآرد ز غم
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را — ۲۰۷ پیوستہ توئی صاحبِ احسان و کرم

اے وہ کہ ترے ہاتھ میں ہے شادی و غم — ہے کون سوا تیرے جو کھوتا ہو الم
سب کو دیکھا اور آزمایا میں نے — ۲۰۷ بس ذات تری ہے صاحبِ لطف و کرم

چیدم گلِ جامِ و سیرِ گلشن کردم — از باغِ گلِ مراد دامن کردم
نوروزِ بہارِ فیض را سیر مکن — ۲۰۸ — ہنگامِ خزاں میل شگفتن کردم

کی بادہ کشی و سیرِ گلشن — اس باغ میں ہوں میں گل بدن
کیا لطفِ بہارِ فیضِ نوروز — ۲۰۸ — ہنگامِ خزاں کہاں شگفتن

از قوتِ جگر ہنوز لختے دارم — ز اسبابِ حیات جاں سختے دارم
آزادہ دوش گفت در کشورِ فقر — ۲۰۹ — گو تخت مباش نوبت بختے دارم

کھانے کے لیے جگر کے ہیں لخت یہاں — اسبابِ جہاں سے پاس ہے سختی جاں!
کہتا تھا اک آزادِ سرِ کشورِ فقر — ۲۰۹ — گو تخت نہیں بخت کی نوبت ہے میاں

پیوستہ دریں دیار با دیدہ نم — در بحرِ خجالت و ندامت غرقم
خواہم کہ نگردم ز تو غافل یکدم — ۲۱۰ — افسوس ازیں غفلت ہردم ہردم

دنیا میں رہا کرتا ہوں گریاں ہر دم — ہوں غرقِ خجالت و ندامت پیہم
اک دم کو نہیں جاتا غفلت تجھ سے — ۲۱۰ — اس غفلتِ ہر دم کا بہت کچھ ہے الم

از دیدۂ دل حسنِ دو عالم دیدم — میزاں شدم و نیک و بدش سنجیدم
ہر سر کہ گرانبار بود سنگِ دل ست — ۲۱۱ — ہر خستہ سرے سبک بود فہمیدم

دیدۂ دل سے ہم حسنِ دو عالم دیکھا — نیک و بد ہو گیا معلوم جو کچھ غور کیا
سنگِ دل بن گیا وہ سر جو گرانبار ہوا — ۲۱۱ — خستہ سر جو ہے سبک ہے وہی عقدہ یہ کھلا

بر روی زمیں اگر نمانی دو سہ دم ۔۔۔ مینای فلک گرد بہت ساغر جم
زنہار مکن قبول ۔ دل خوش نشوی ۲۱۲ بسیار خمار دارد ایں نشۂ کم

رستی ہے اگر تیری زمیں پر کوئی دم ۔۔۔ اور دے تجھے مینائے فلک ساغر جم
کرنا نہ قبول ۔ کیونکہ دل ہوگا نہ خوشتر ۲۱۲ رکھتا ہے بہت خمار یہ نشۂ کم

ہر چند کہ چندیں گنہ از خود دیدم ۔۔۔ احسان و کرم بیش ازیں فہمیدم
شرمندہ ہمیں فضل و کرم کرد مرا ۲۱۳ چندان تامل شدم و سنجیدم

جتنے بھی گنہ ہوئے ہیں ان کو دیکھا ۔۔۔ احسان و کرم کو ان سے بڑھ کر پایا
شرمندہ ہوں اس جرم و کرم کے سبب ۲۱۳ جب غور کیا میں نے یہی مجھ پہ کھلا

تا چند کنم گناہ یا رب ہر دم ۔۔۔ از فضل تو وا ز کردۂ خود منفعلم
آیا چہ کند متقی آخر کار ۲۱۴ بسیاری جرم و بےحیائی کردم

کب تک میں کروں گناہ یا رب ہر دم ۔۔۔ نادم ہوں بہت دیکھ کے میں تیرا کرم
کیا کرتا ہے آخر کہ میں ہوں زاہد ۲۱۴ بس کثرت جرم و بےحیائی ہے ہم

پابند مشو بہ رنج دنیا گفتم ۔۔۔ دلشاد مکن بکوہ و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابند سراب است ببیں ۲۱۵ اے جوش حباب و موج دریا گفتم

ہو رنج و غم دہر میں ہرگز نہ گرفتار ۔۔۔ دلشاد نہ کر کوہ و بیاباں سے خبردار
پابند سراب آہ یہ ہے عالم فانی ۲۱۵ اے جوش حباب سکو نہ کچھ تازم ذرا

در گوشۂ فقر سیرِ دریا کردم — از بہرِ خود آرام مہیا کردم
ہر نیک و بدی کہ بیند از جا نرود — این وضع ز آئینہ تماشا کردم ۲۱۶

گوشۂ فقر میں کرتا ہوں میں سیرِ دنیا — ہر طرح کر لیا آرام مہیا اپنا
نیک و بد آیا نظر جو وہ جگہ سے نہ ٹلا — آئینہ میں بھی اسی رنگ کا نقشہ دیکھا ۲۱۶

باید نہ کشی ز خلق منت گفتم — گر صاحبِ فطرتی و ہمت گفتم
این ست خیالِ خام ہرگز نکشی — بر پردۂ عنکبوت صورت گفتم ۲۱۷

دنیا کا تو نہ ہونا ہرگز رہینِ منت — رکھتا ہے کچھ جو فطرت رکھتا ہے کچھ جو ہمت
یہ ہے خیالِ باطل ممکن نہیں ہے بالکل — جالوں پہ مکڑیوں کے کھنچ جائے جیسے صورت ۲۱۷

الفت بہ غمِ یار گرفت ست دلم — بر دوش گرانبار گرفت ست دلم
زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش — در پیش دگر کار گرفت ست دلم ۲۱۸

دل ہو گیا پابندِ غم و الفتِ دلدار — کاندھے پہ اٹھا ہی لیا یہ بارِ گرانبار
زاہد یہ نصیحت ہے مری چھیڑ نہ اب تو — مائل ہے کسی اور ہی جانب یہ دلِ زار ۲۱۸

شاہ شاہانیم زاہد چو تو عریاں نیستم — شوق و ذوق شورشم لیکن پریشاں نیستم
بت پرستم کافرم از اہلِ ایماں نیستم — سوی مسجد میروم اما مسلماں نیستم ۲۱۹

ہوں شاہِ شاہاں شیخ تیری طرح عریاں میں نہیں — دیوانہ ہوں شوریدہ ہوں لیکن پریشاں میں نہیں
کب اہلِ ایماں ہوں کہ ہوں کافر پرستارِ صنم — جاتا ہوں مسجد کی طرف لیکن مسلماں میں نہیں ۲۱۹

باقکر و خیالِ کس نباشد کارم   در طورِ غزل طریقِ حافظ دارم
اما بہ رباعی ام مریدِ خیّام   ۲۲۰ نہ جرعہ کشِ بادہ اش بسیارم

ہے خیال و فکر سے مجکو کسی کے کام کیا   طور ہے میری غزل میں حافظِ شیراز کا
ہوں رباعی میں مریدِ حضرتِ خیام میں   ۲۲۰ ہاں مگر پیتا نہیں انکی مئے عشرت فزا

از نقشِ بر آب ہر چہ گفتم گفتم   در گوشِ حباب ہر چہ گفتم گفتم
ایں عالمِ پیری و زبانم خاموش   ۲۲۱ ایامِ شباب ہر چہ گفتم گفتم

جو نقشِ بر آب ہے کہا میں نے کہا   جو گوشِ حباب ہے کہا میں نے کہا
اب پیر ہوا زباں بھی خاموش ہوئی   ۲۲۱ جو جوشِ شباب ہے کہا میں نے کہا

ہرگز بخدا زہد و ریائی نکنم،   غیر از درِ معرفت گدائی نکنم،
شاہی کنم و ملکِ فراغت گیرم   ۲۲۲ پیوستہ بہ میخانہ جدائی نکنم

واللہ کبھی زہد و ریائی نہ کرونگا   میں غیر درِ دلدار گدائی نہ کرونگا
شاہی مجھے حاصل ہے فراغت ہے جہاں سے   ۲۲۲ میخانہ سے اک دم بھی جدائی نہ کرونگا

دیدار بمن نمود از فضل و کرم   شاہے کہ بود خسروِ اعراب و عجم
ایں خوابِ شبِ قدر شد و قدر فزود   ۲۲۳ دنیا نہ بود بقدرِ خود در نظرم

دیدار دکھایا مجھے اپنا ز کرم   اُسنے جو ہے سلطانِ عرب شاہِ عجم
یہ خوابِ شبِ قدر ہے افزوں ہوئی قدر   ۲۲۳ اب قدر میں دنیا ہے مری قدر سے کم

آنست که پیوسته بود غمخوارم　　بر فضل نظر کند نه بر کردارم
شاید که به ماتمم بفریاد رسد　　۲۲۴　از کردهٔ خویش منفعل بسیارم

اے وہ کہ ہمیشہ ہے جو میرا غمخوار　　لاتا نہیں جو نظر میں میرے کردار
شاید مری شرم سے ہی بخشش ہو جائے　　۲۲۴　افعال سے اپنے منفعل ہوں بسیار

دل شاد کہے ہمیشہ بر روی زمین　　کیخسرو و جمشید نماندند ببین
گفتم بتو این حرف که آگاه شوی　　۲۲۵　احوالِ جهان گاه چنان گاه چنین

دلشاد ہوئی کبھی نہ بر روئے زمیں　　کیخسرو و جمشید سے سلطان نہیں
اک بات میں کہتا ہوں کہ تو ہو آگاہ　　۲۲۵　ہے حالِ جہاں گاہ چناں گاہ چنیں

از کثرتِ شوقِ دوست عزلت بگزین　　از رنج برآ طریق راحت بگزین
پیوسته چو گردباد سرگشته مشو　　۲۲۶　یکجا بدلِ جمع فراغت بگزین

افراطِ شوقِ وصل میں عزلت حصول کر　　رنج و الم سے دور ہو راحت حصول کر
سرگشتہ گردباد کی صورت ہو کس لیے　　۲۲۶　کر جمع خاطر اور فراغت حصول کر

از بہرِ خدا یادِ دل شاد بکن ؛　　هر وعده که کرده همه یاد بکن
انصاف عزیز است فراموش مکن　　۲۲۷　از دام همه بخویش آزاد بکن

کر بہرِ خدا یادِ خدا اے دلشاد　　جو وعدے کیے ہیں تو نے رکھ انکو یاد
انصاف کو رکھ عزیز مت بھول اسے　　۲۲۷　پھندے سے زمانہ بھر کے رہ تو آزاد

خوش آب و ہوا دیدہ نہ بر روئے زمیں — مشکل کہ اگر زیر زمین ست چنیں

در سر کہ ہوا ہاست ازیں معلوم ست — شاید بود ہوائے آنجا بہ ازیں ۲۲۸

آب و ہوائے روئے زمیں ہے بہت بری — کیا ہوگا پھر جو زیر زمیں بھی ہوئی یہی

سر میں ہوا جو سیر کی بھری ہے تو ہمنشیں — ۲۲۸ اس سے تو بس وہاں کی ہوا ہوگی بھلی

صد رنگ بود ہمیشہ احوالِ جہاں — گہہ سیرِ بہارش کن و گہہ سیرِ جہاں

از پست و بلند او دلِ آزردہ مشو — ۲۲۹ ہموارہ بکن درد بخود ہم درماں

سو رنگ بدلتا رہتا ہے حالِ جہاں — کر سیرِ بہار تو کبھی سیرِ خزاں

اس پست و بلند سے نہ ہو آزردہ — ۲۲۹ درماں کو درد جان۔ اسکو درماں

خواہی کہ شوی شاد نہ گردد غمگیں — از خلق کنارہ گیر و تنہا بنشیں

آسودگی ہر دو جہان ست ہمیں — ۲۳۰ یکحرف ز من بشنو و راحت بگزیں

راحت کی ہو گر خواہش غم سے ہو اگر نفرت — دنیا سے جدا ہو جا ڈھونڈ اپنے لیے عزلت

آسودگی ہمیں ہی پنہاں ہے دو عالم کی — ۲۳۰ یہ میری نصیحت سن اے شیفتہ راحت

تا فکرِ خیالش بدلم کرد وطن — سر تا بقدم فکر و خیالم ہمہ تن

با خود سخنے ہمیشہ دارم۔ اما — ۲۳۱ اظہار محال ست ہمیں ست سخن

دلمیں جو کیا الفت دلدار نے مسکن — سر تا بقدم فکر ہوا۔ بڑھ گئی الجھن؛

رہتی ہیں جو دن رات دل زار سے باتیں — ۲۳۱ ممکن نہیں اظہار کسی ایک کا قطعا

یارب کرم و لطف کشودی بر من صد رنگ گلم شگفت و شد رشکِ چمن
یک فضلِ تو از ہزار ناید بہ بیاں ۲۳۲ ہر چند زباں شوم بشکرت ہمہ تن
ہے لطف و کرم سے کام اے ربِ من سو رنگ سے دل کھلکے بنے رشکِ چمن
اک فضل کا تیرے غیر ممکن ہے بیاں ۲۳۲ بنجاؤں پئے شکر زباں گر ہمہ تن

این ہستیِ موہوم حباب ست ببیں این بحرِ پر آشوب سراب ست ببیں
از دیدۂ باطن بنظر جلوہ گر ست ۲۳۳ عالم ہمہ آئینہ و آب ست ببیں
یہ ہستیِ موہوم ہے مانندِ حباب اور بحرِ پر آشوبِ جہاں شکلِ سراب
پائیگا جو تو دیدۂ دل سے دیکھے ۲۳۳ یہ سارا جہاں مثلِ آئینہ و آب

چوں پیر شدم گناہ گردید جواں بشگفت گلِ داغ بہ ہنگامِ خزاں
این لالہ رخاں طفل مزاجم کردند ۲۳۴ گہ متبسم گاہ سراپا عصیاں
میں پیر ہوا اور گنہ میرے جواں پیدا ہوئے داغِ رنگیں ہنگامِ خزاں
کیا لالہ رخوں نے کر دیا طفل مزاج ۲۳۴ زاہد ہوں کبھی کبھی سراپا عصیاں

خواہی بجہاں نام برآری چو نگیں از خلق گزیں کنارہ تنہا بنشیں
دیدیم دریں بادیہ از دست شدند ۲۳۵ بر سردیِ دنیا و بسے گرمیِ دیں
گر خواہشِ نام ہے تو مانندِ نگیں ہو خلق سے بچکے تو کہیں خانہ نشیں
دیکھا ہی سرد و گرمِ دنیا ہم نے ۲۳۵ ہاتھ آئی نہ دنیا ہی نہ آسائشِ دیں

سوئے غم دنیا و دگر سوئے غم دیں
نیست کہ دیدیم نہ آنست نہ ایں
جاں کندن و دل درئی نام ست و نشاں
ہر یک بگرفت است مرا ہمچو نگیں ۲۳۶

اک طرف دنیا کا غم ہے ایک جانب کر دیں
اور پھر یہ لطف ہے کہ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
جان و دل کو کھو دیا نام و نشاں کے واسطے
ہاتھ میں ہر ایک کے جیسے نگ انگشتری ۲۳۶

در دل چو نمود مہر جاناں مسکن
صد رنگ شگفت ایں گل و گردید چمن
پیدا و نہانیم دریں دور کہن ؛
ما را نتواں شناخت الا بہ سخن ۲۳۷

مہر جاناں نے بنایا ہے جو دل میں مسکن
کھل کے سو رنگ سے یہ گل ہوا رشک گلشن
ظاہر بھی ہوں اس دور میں پنہاں بھی ہوں
کوئی نہیں پہچانتا ۔ لیکن بہ سخن ۲۳۷

دل را بخیال او ہم آغوش بکن
خود را ز فلک اوج ہمدوش بکن
ایں حرف ز متقی فراموش مکن
یاد دو جہاں ز دل فراموش بکن ۲۳۸

رہ اس کے خیال سے ہم آغوش
ہو اوج میں آسماں کا ہمدوش
مت بھول یہ شیخ کی نصیحت
یاد دو جہاں کو کر فراموش ۲۳۸

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن
در وادی شک چو گمرہاں سیر مکن
ہاں شیوہ بندگی ز شیطاں آموز
یک قبلہ گزیں سجدہ بر غیر مکن ۲۳۹

سرمد تو بیان کعبہ و دیر نہ کر
گمراہوں کی طرح شک کی تو سیر نہ کر
شیطان سے سیکھ بندگی کا شیوہ
اک قبلہ بنا ۔ سجدہ پہ غیر نہ کر ۲۳۹

در کوی مغاں موسم گل منزل کن — خود را بہ در جنون بزن غافل کن
ایں خرقۂ پشمینہ کہ بارست و وبال — از دوش بنہ فراغتی حاصل کن ۲۴۰

میخانہ بنا موسم گل میں منزل — بن وحشی و سودائی و مجنوں غافل
یہ خرقۂ پشمینہ کہ ہے بار و وبال — کاندھے سے اتار۔ کر فراغت حاصل ۲۴۰

بر من در لطف و جود مسدود مکن — مقبول تو ہر کہ گشت مردود مکن
در ضعف نمی تواں گراں بار کشید — پیرانہ سرم گناہ افزود مکن ۲۴۱

مجھ پر در لطف و جود مسدود نہ کر — مقبول بنا لیا تو مردود نہ کر
اٹھنے کا نہیں ضعف سے اب بار گراں — میں پیر ہوا گناہ افزود نہ کر ۲۴۱

اے فکر کزیں خدمت شاہاں بگزیں — پیوستہ کسی نماند بر روئے زمیں
پیشانی شاہاں ہمہ پرچیں دیدم — دنیا نبود بقدر یک چیں جبیں ۲۴۲

اے فکر نہ تو خدمت شاہاں کی گزیں — رہتا ہے ہمیشہ کون بر روئے زمیں
پرچیں رہتی ہے بادشاہوں کی جبیں — دنیا نہیں پر بقدر یک چین جبیں ۲۴۲

دلخواہ نہ شد دو چار یاری بجہاں — غمخوار نہ دیدیم بکارے بجہاں
آں گل کہ دہد بوئے وفا نایاب ست — بین سیر خزانے و بہارے بجہاں ۲۴۳

دلخواہ جہاں میں نہ پایا کوئی یار — ہوتا ہے یہاں کون کسی کا غمخوار
ہو بوئے وفا جس میں وہ گل ہے نایاب — کر سیر خزاں۔ دیکھ ذرا فصل بہار ۲۴۳

یارب ز کرم خستہ دلم شاد بکن   ویرانہ جان و جسم آباد بکن
خواہم کہ عروس عیش گیرم یکبار   ۲۴۴ از دام غم و محنتم آزاد بکن

ہاں کرم سے یا خدا مجھ خستہ دلکو شاد کر   جان و تن کے خانۂ ویراں کو تو آباد کر
چاہتا ہوں عیش و عشرت کی دلہن پہلو میں ہو   ۲۴۴ مجکو بند آفت و اندوہ سے آزاد کر

ای لالہ رخے سرو قدے سیمیں تن   ایام بہار ست بکن سیر چمن
چون غنچہ مکن حجلہ نشینی ستم ست   ۲۴۵ گل میرود و سنبل و نسرین و سمن

اے لالہ رخ و سرو قد و سیم بدن   ہے فصل بہار کر ذرا سیر چمن
غنچہ کی طرح حجلہ نشینی ہے ستم   ۲۴۵ جاتے ہیں گل و سنبل و نسرین و سمن

عجب سنگین دل و نامہربان افتاد یار من   نمیدانم باو آخر چہ خواہد گشت کار من
بروز بیکسی جز سایہ ام کس نیست یار من   ۲۴۶ وے آنہم ندارد طاقت شبہای تار من

کس قدر نامہربان و سخت دل ہے یار کا   کام آخر کس طرح نکلیگا مجھ ناچار کا
بیکسی میں کون سایہ کے سوا غمخوار ہے   ۲۴۶ وہ بھی کب ساتھی ہو شبہای فراق یار کا

از بہر چہ حب جاہ باید کردن   عمر خود را تباہ باید کردن
مانند نگین چہ لازم ست از پے نام   ۲۴۷ جان کندن و رو سیاہ باید کردن

بیکار ہے جہاں میں یہ حب جاہ کرنا   ہے کیا ضرور اپنی ہستی تباہ کرنا
اک نام کے لیے کب مثل نگیں ہے لازم   ۲۴۷ جان حزیں کو کھونا منہ کو سیاہ کرنا

زین طولِ امل آہ چہ خواہی کردن ‏ ‏ زین خواہشِ جانکاہ چہ خواہی کردن
سر رشتۂ عمر ہر نفس در تاب است ‏ ۲۴۸ ‏ زین ہمتِ کوتاہ چہ خواہی کردن

اس طولِ امل سے فائدہ آہ نہیں ‏ ‏ کچھ کام کی اس خواہشِ جانکاہ نہیں
مائل بہ کمی ہے ہر نفس رشتۂ عمر ‏ ۲۴۸ ‏ پھر سود رساں ہمتِ کوتاہ نہیں

اے دوست درین دہر نکو کاری کن ‏ ‏ بیش از نفسے نیست کم آزاری کن
خوشنودیِ اہلِ دل غنیمت بشمار ‏ ۲۴۹ ‏ ہر جا کہ بود خستہ دلداری کن

اے دوست جہاں میں نکو کاری کر ‏ ‏ مہماں ہے دم بھر کا نہ غداری کر
خوشنودیِ اہلِ دل غنیمت ہے یہاں ‏ ۲۴۹ ‏ ہو جائے جہاں نصیب دلداری کر

خود را بخیالِ دوست دلشاد بکن ‏ ‏ از محنت و اندوہ و غم آزاد بکن
یاران کہ شب و روز رفیقت بودند ‏ ۲۵۰ ‏ از شادی و اندوہ ہمہ یاد بکن

تو خیالِ یار سے دل شاد کر ‏ ‏ بند رنج و درد سے آزاد کر
دوست وہ جو تجھے تری ہمدم رفیق ‏ ۲۵۰ ‏ رنج و راحت میں انہیں تو یاد کر

دریاے عنایتش ندارد پایاں ‏ ‏ در شکر زباں قاصر و دل ہم حیراں
ہر چند گنہ بیش ز رحمت بیشیں ‏ ۲۵۱ ‏ کردیم شناوری بہ بحر عصیاں

اسکے دریائے عنایت کا نہیں ہے پایاں ‏ ‏ شکر کس طرح ہو قاصر ہے زباں دل حیراں
رحمت ہے فزوں فزونیِ جرم سے بھی ‏ ۲۵۱ ‏ کی خوب شناوری بحرِ عصیاں

گہہ مستقیم کند گہے سرگرداں احوال جہاں گاہ ندیدیم یکساں
چوں نخل گہے سبز و گہے عریانم ۲۵۲ بے موسم گل بہار و ہنگام خزاں

ہوں شیخ کبھی اور کبھی ہوں سرگرداں رہتا نہیں احوال جہاں کا یکساں
ہوں نخل کی صورت کبھی عریاں کبھی سبز ۲۵۲ ہوں فصل بہار گاہ ہنگام خزاں

بے فضل تو آساں نشود مشکل من آسودگی از رنج نیابد دل من
سرسبز بکن کشت مرادم یارب ۲۵۳ تا گنج فراغت نشود حاصل من

بے فضل نہیں ہوتی ہے آساں مشکل کب رنج سے آسودہ بھلا ہوتا ہے دل
سرسبز الٰہی ہو مرا کشت مراد ۲۵۳ ہو جلد مجھے گنج فراغت حاصل

خواہی نہ کشی رنج نہ جوئی درماں دوری بکشی ز ہمنشینان جہاں
چوں عقرب و مار کن تصور ہمہ را ۲۵۴ از صحبت ہمدماں اماں خواہ اماں

چاہے جو نہ ہو ملال رنج و درماں کر دور خیال ہمنشینان جہاں
تو عقرب و مار کر تصور سب کو ۲۵۴ صحبت میں ہمیشہ انکی تو مانگ اماں

تا چند تہ سپہر و بر روئے زمیں از بہر زر و سیم بگردی غمگیں
یکجا بنشیں بگوشۂ ہمچو نگیں ۲۵۵ ایں نقش بر آب ست و سراب است ایں

کب تک تہ آسمان و بالائے زمیں تو بہر زر و سیم پھرے گا غمگیں
ہو نقش بر آب ہے یہ کہ مانند سراب ۲۵۵ اک گوشہ میں بیٹھ جا تو ہمشکل نگیں

با ترکِ تعلق نفسے یار بشو　　زین بارِ گرانِ خود سبکبار بشو

تا چشم کنی باز ہمہ باز نہی ۲۵۶　　اے بیخبر از خویش خبردار بشو

دم بھر کیلئے ترکِ تعلق کا تو بن یار　　اس بارِ گرانبار سے ہو جلد سبکبار

جسکی جو ادھر آنکھ تو پھر کچھ بھی نہیں ہے ۲۵۶　　اے بیخبر اپنی ہو تو ہستی سے خبردار

افسردہ نشد ز رنجِ دنیا دلِ تو　　آگاہ نشد گاہ دلِ غافلِ تو

گر تخمِ ندامت نفشاندی آخر ۲۵۷　　زین کشتِ ندامت چہ بود حاصلِ تو

افسردہ نہیں خواہشِ دنیا سے ترا دل　　آگاہ نہ اک دم بھی کبھی تو ہوا غافل

پھل تخمِ ندامت کا جو پایا نہیں تو نے ۲۵۷　　اس کشتِ ندامت سے تجھے کیا ہوا حاصل

شد بر تنِ من غرقِ گنہ ہر سرِ مو　　از من ہمہ زشتی ست و نیکی ست ز تو

تا چند کنم گناہ او فضل کند ۲۵۸　　شرمندۂ جرمِ خودم و رحمتِ تو

غرقِ گناہ تن پہ مرا بال بال ہے　　مجکو بدی کا نیکی کا تجھ کو خیال ہے

جتنے گناہ میں نے کیے تو نے اتنا فضل ۲۵۸　　جرم و کرم سے میرا عجب خستہ حال ہے

بگذر ز خودی ز فتنہا ایمن شو　　تا چند شوی خار رگِ گلشن شو

با نفسِ ستمگار خصومت برکن ۲۵۹　　گفتم تو اے دوست بخود دشمن شو

گزر خودی سے کہ فتنوں سے ہو تجھے امن　　رہیگا خار کہاں تک کبھی تو بن گلشن

ہمیشہ نفسِ ستمگار سے عداوت رکھ ۲۵۹　　جو اپنا دوست ہے بن اپنے نفس کا دشمن

آسان نبود بفہم فہمیدن او — مشکل بدل و دیدہ بود دیدن او
دیوانہ دل و دیدہ بسے حیران ست — در یافتن و دیدن و سنجیدن او ۲۶۰

سب فہم کو آساں ہے سمجھنا اس کا — دشوار ہے چشم و دل کو اس کا جلوا
حیران دل و دیدہ ہیں کیسے کیسے ۲۶۰ — کچھ اسکو مگر سمجھا نہ ۔ جانا ۔ دیکھا

از مال و منال خویش مغرور مشو — وز نشۂ این شراب مخمور مشو
در آمد و رفت این تفاوت نبود ۲۶۱ — دلشاد ازین مباش و رنجور مشو

ہو مال و منال پر نہ اپنے مغرور — اس نشہ مے سے ہاں نہ ہونا مخمور
وقفہ نہیں اسکے آنے جانے میں ذرا ۲۶۱ — ہونا کبھی دلشاد نہ اس سے رنجور

این باعث دلتنگیم چیست بگو — تا چند بہ حسرت کنم زیست بگو
ہر چند بدم از کرم خویش ببخش ۲۶۲ — غیر از تو مرا رحم کند کیست بگو

دلتنگی کا میری باعث ہے کیا بتا دے — کب تک جیوں میں غم میں اتنا تو بتا دے
بیشک بہت برا ہوں تو بخشدے کرم سے ۲۶۲ — یا رحم کرنے والا ہے تو ۔ دوسرا بتا دے

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو — آنکس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی ۲۶۳ — پس فرق میان من و تو چیست بگو

کس نے کہ کی جہاں میں کوئی خطا بتا دو — اور بے گنہ جہاں میں کیونکر جیا بتا دو
جیسا کیا ہے میں نے ویسا صلہ دیا ہے ۲۶۳ — پھر مجھ میں اور تجھ میں کیا فرق ہے بتا دے

یہ رباعی عمر خیام کی رباعیوں میں بھی درج ہے ۔ ۲ ۔ اسمعیل

مینائی فلک که سنگ می بارد زود   در پردهٔ صلح جنگ می آرد زود

غیر از سپر جام گریزت نبود   ہر چند که سنگ تنگ می بارد زود ۲۶۴

مینائی فلک جس سے برستے ہیں سدا پتھر   ہمیشہ صلح کے پردہ میں ہے یہ جنگ کا خوگر

نہ لے گر ڈھال ساغر کی تو بچنا تجھکو ناممکن ۲۶۴   اگرچہ سنگ بدنامی کی بارش ہوتی ہے اکثر

از وہم و خیالِ خویش دلریش مشو   وز نیک و بدِ خلق بداندیش مشو

صحبت بکسی مدار جز ساقی و جام ۲۶۵   گر یار شوی با دو سہ کس بیش مشو

ہو وہم و خیال سے نہ دلریش کبھی   ہرگز نہ جہان سے ہو بداندیش کبھی

صحبت نہ کسی سے رکھ بجز ساقی و جام ۲۶۵   دو تین سے رکھ نہ دوست تو بیش کبھی

خواہی کہ بجز دوست شوی دشمن شو   از آفتِ خواہش بجہان ایمن شو

ای نفسِ ستمگار دل آزار ترا ۲۶۶   خاریست کس از باغ دل گلشن تو

گر دشمن ہو تو اپنا تو بن جا دشمن   ہو آفتِ خواہش سے جہاں میں ایمن

یہ نفسِ ستمگار دل آزار بہت ؛ ۲۶۶   کانٹا ہے گر اس سے باغ دل کا گلشن

ہر لحظہ ندامت ست یارب ز گناہ   در دل ہمہ خجلت ست بر لب ہمہ آہ

اے یادِ مرادِ وصل وقتِ مدد ست ۲۶۷   در بحرِ گناہ کشتیم گشت تباہ

ہر لحظہ الٰہی ہے مجھے شرم گناہ   دل میں ہے خجالت تو ہوں پر مری آہ

اے یادِ مرادِ وصل ہے وقت مدد ۲۶۷   کشتی مری دریائے گنہ میں ہے تباہ

جز محنت و رنج نیست حاصل ز ہمہ　　فارغ شو و آزاد بکن دل ز ہمہ
خود را بجہد اگر ز اندیشہ مکن　٢٦٨　این فکر و خیال و وہم مشکل ز ہمہ

جز رنج و الم کیا ہے کسی سے حاصل　　دنیا میں نہ بھول کر کسی کو دے دل
لو حق سے لگا اور نہ کر فکر کوئی　٢٦٨　کر دور ہر اک وہم و خیالِ مشکل

از نیک و بدِ خویش نگشتم آگاہ　　بر فضلِ تو کردم گنہ و نامہ سیاہ
از قدرتِ تست ضعف و قوت ہمہ را　٢٦٩　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

کچھ اچھے برے سے نہ ہوا میں آگاہ　　مغرور کرم ہو کے کیے میں نے گناہ
قدرت سے تری ہے قوت و ضعفِ جہاں　٢٦٩　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

غیر از درِ رحمتش ندارم پناہ　　بیچارہ و عاجزیم با حال تباہ
نے طاقتِ زہد ست نہ یارائے گناہ　٢٧٠　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

کب ہے درِ رحمت کے سوا جائے پناہ　　بیچارہ و عاجز ہوں میں حالت ہے تباہ
تقویٰ پہ ہے قابو نہ گنہ کی طاقت　٢٧٠　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

شوخے ز کفم ربود دل را بنگاہ　　شد روز زمین تیرہ ازیں چشم سیاہ
پیری و شباب جمع شد آخر کار　٢٧١　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

اک شوخ نے دل چھین لیا کر کے نگاہ　　تاریک ہیں دن دیکھ کے وہ چشم سیاہ
آخر ہوئی پیری و جوانی یک جا　٢٧١　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

افسوس بتقدیر نہ بردیم پناہ — زاندیشہ و تدبیر شد احوال تباہ
مغرور مشو بہ قوت و قدرت خویش ۲۶۲ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

افسوس نہ لی جانب تقدیر پناہ — تدبیر و تفکر سے رہا حال تباہ
تو طاقت و قدرت پہ نہ کر اپنی غرور ۲۶۲ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

احوال شد از زشتی اعمال تباہ — جز فضل خدا نیست دگر جائے پناہ
ہر چند کہ من ضعیف و شیطان قویست ۲۶۳ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کیوں زشتی اعمال سے ہوتا ہے تباہ — جز فضل خدا کوئی نہیں جائے پناہ
ہر چند ہوں میں ضعیف شیطان شہ زور ۲۶۳ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

احوال کہ از جور فلک گشت تباہ — این بود کہ از شاہ و گدا خواستہ پناہ
دیدم ہمہ را و آزمودم ہمہ را ۲۶۴ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

کیا جور فلک سے حال اپنا ہے تباہ — ہر شاہ و گدا مانگتا ہے اس سے پناہ
سب کو دیکھا اور آزمایا میں نے ۲۶۴ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

گر متقیم و گر اسیرم بگناہ — آنے کہ بہر حال در آری بہ پناہ
نیک و بد ہر کس بہ ید قدرت تست ۲۶۵ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

میں صاحب تقویٰ ہوں کہ پابند گناہ — وہ تو ہے کہ ہر حال میں دیتا ہے پناہ
ہر نیک و بد دہر ترے ہاتھ میں ہے ۲۶۵ — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

زاہد تو چہ لذت ز ریا یافتہ   صد خرقۂ پشمینہ بہم تافتہ
از رشتۂ تسبیح کہ باریک ز موست ۲۷۶   محکم رسنے برای خود بافتہ

شیخ اس زہد و ریا سے کیا فرا حاصل ہو   خرقۂ پشمینہ تو نے سیکڑوں پہنے تو کیا
رشتۂ تسبیح سے، جو بال سے باریک ہے ۲۷۶   تو نے اپنے واسطے رسی بنالی۔ کیا کیا

بیہودہ بسے تخم ہوس کاشتہ   حاصل چہ ازیں کاشتہ انگاشتہ
سودائے جہاں سود نہ بخشد آخر ۲۷۷   نقصاں کند آنچہ نفع پنداشتہ

بوئی ہیں بہت تخم ہوس اے ناداں   اس بونے سے کیا تجکو ملیگا حیراں!
سودائے جہاں میں سود۔ توبہ۔ توبہ ۲۷۷   کچھ نفع نہیں ہیں سوائے نقصاں

با دام ہوا و حرص تا ہم نفسے   پابندِ خودی شام و سحر در قفسے
آزاد چو سرو باش در گلشن دہر ۲۷۸   گر سنبل و نسرینی تو در خار و خسے

دام ہوا و حرص سے جبتک ہے ہم نفس   پابندی خودی ہے گرفتاریِ قفس
آزاد مثل سرو تو باغ جہاں میں رہ ۲۷۸   بن سنبل و نسریں۔ در میں خار و خس

در دہر اگر ہمسرِ افلاک شوی   پستی بگزیں کہ عاقبت خاک شوی
آسودگی جہاں نیرزد بجوی ۲۷۹   دامن بفشاں ز حرص تا پاک شوی

دنیا میں اگر ہمسرِ افلاک ہے تو   گردن کو جھکا کہ آخرش خاک ہے تو
آسودگی جہاں نہ پائے گا کبھی ۲۷۹   تو دامنِ حرص جھاڑ۔ پھر پاک ہے تو

پیداست ز پیشانی من عصیانی — داری نظر لطف بمن پنہانی

اسرار نہاں بود ہمیشہ تو عیاں ۲۸۰ — گر فاسق و گر متقیم میدانی

گناہوں کا پتہ دیتا ہے میرا نقش پیشانی — مگر تو ہے کہ رکھتا ہے نگاہ لطف پنہانی

جو اسرار نہاں ہیں سربسر تجھ پہ ظاہر ہیں ۲۸۰ — سمجھتا ہے کہ میں فاسق ہوں یا پابند ایمان

گر در طلب بادۂ راحت ہستی — ور نشۂ آزادی دنیا مستی

دین ہم بگزار دامن دوست بگیر ۲۸۱ — در عالم مستی ز دو عالم رستی

تجھ کو ہے اگر بادۂ راحت کی تمنا — رہتا ہے جو مست مئے آزادی دنیا

کر دین کو بھی ترک پکڑ دامن جاناں ۲۸۱ — مستی میں دو عالم سے گزر جانا ہی اچھا

تا چند در اندیشۂ دنیا باشی — آوارۂ دشت و کوہ و صحرا باشی

دامان قناعت است بسیار وسیع ۲۸۲ — از دست مدہ درین جہان تا باشی

آخر غم و اندیشۂ دنیا کب تک — آوارہ بیاباں میں رہیگا کب تک

دامن میں قناعت کے ہے وسعت کیا کم ۲۸۲ — مت چھوڑ اسے رہیگا جیتا کب تک

تنہا نہ ہمیں جان و دل و ایمانی — آنی تو کہ ہر لحظہ بہ تجلی نیا، آنی

بیرون ز تصور و خیالات دیدم ۲۸۳ — آن چیز کہ در وہم نیاید آنی

جان و دل و ایماں ہی نہیں ایک گرو — ہر آن نئی شان ہے تیری ہر سو

بیروں ہے خیالات و تصور سے کہیں ۲۸۳ — آتی نہیں جو سمجھ میں وہ چیز ہے تو

اے جانِ گرامی تو چرا نادانی — باید کہ بدانی چہ قدر می مانی
بر ہستیِ موہوم عبث مغروری — ۲۸۴ پیوستہ نہ مانی دو سہ دم مہمانی

اے جانِ گرامی تو نہ کر نادانی — کب تک ہے یہاں تو کہ ہے دنیا فانی
مغرور نہ ہو ہستیِ موہوم پر — ۲۸۴ دو تین نفس کی ہے تری مہمانی

در دیدہ و دل ہمیشہ دارد گذرے — ہر لحظہ بدیدار شود در اثرے
کو خستہ دلے کہ سر این جلوہ کند — ۲۸۵ از خود رود و ز خود نگیرد خبرے

ہے دیدہ و دل میں اسکا ہر وقت گزر — ہر لحظہ ہے وہ جلوہ گرِ چشم و نظر
جس سر میں ہو سودائے محبت اُس کا — ۲۸۵ وہ بیخبر اپنی بھی نہیں رکھتا خبر

اے خانہ خراب از خدا بیخبری — اے موجِ سراب از خدا بیخبری
این ہستیِ موہوم تو نقش ست بر آب — ۲۸۶ اے جوشِ حباب از خدا بیخبری

کیوں بیخبر خدا سے ہے خانہ خراب تو — غافل ہو اُس سے صورتِ موجِ سراب تو
نقش بر آب ہستیِ موہوم ہے تری — ۲۸۶ کیوں حق سے بیخبر ہوا۔ جوشِ حباب تو

بیش از گنہم بخشش و احسان کردی — بر خوانِ کرم ہمیشہ مہمان کردی
ہر چند گناہ بیش افزود کرم — ۲۸۷ این قسم ز کردار پشیمان کردی

گناہوں سے بھی میرے کچھ سوا احسان کیا تو نے — ہمیشہ خوانِ لطف و کرم پر مہماں کیا تو نے
گنہ جتنے ہیں میرے اُنسے افزوں ہے کرم تیرا — ۲۸۷ اسی طرزِ عمل سے نادم و حیراں کیا تو نے

گیرم کہ چو نرگس ہمہ تن سیم و زری   تا چشم گشودی و بخود درنگری

۲۸۸

از خواہش مال و جاہ و زحمت ببری   اے جوش بہار از خزاں بیخبری

مانا کہ مثل نرگس تو سیم و زر ہے   پر آنکھ کھول لینے سے پہلے تیرا سفر ہے

۲۸۸

جاہ و حشم کی خواہش تکلیف کا ہی باعث   اے جوش گل خزاں کی سہم سے بیخبر ہے

از مردم روزگار غافل نشوی   وز گرمی این طائفہ خوشدل نشوی

۲۸۹

پرواز بکن ہمیشہ از صحبت شاں   تا در قفسی فریب بسمل نشوی

ہو اہل زمانہ سے تو ہرگز غافل   اس طائفہ سے ملکے نہ کرنا خوش دل

۲۸۹

ان لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ بچنا   کھانا نہ قفس میں تو فریب بسمل

در پیری و ضعف سیر گلشن نکنی   صد رنگ گل اشک بدامن نکنی

۲۹۰

چوں غنچہ درین باغ پریشاں گردی   بے لالہ رخے میل شگفتن نکنی

ضعف و پیری میں سیر گلشن مت کر   پر پھول سے آنسوؤں کے دامن مت بھر

۲۹۰

اس باغ میں جوں غنچہ پریشاں ہو   بے یار کبھی میل شگفتن مت کر

تا چند بہ کوہ و دشت زحمت بکشی   از بار ہوا و حرص محنت بکشی

۲۹۱

این زندگیست بقدر خواہش نبود   وقت است ہنوز گر ندامت بکشی

کب تک سہیگا آخر تکلیف کو پھرا   کب تک لگا رہیگا حرص و ہوا کا جھگڑا

۲۹۱

جتنی ہے تیری خواہش کب اتنی زندگی ہے   ہو مائل ندامت موقع ابھی ہے اسکا

افسوس کہ احوالِ خود آگاہ نئی بدخواہ خودی ولے ہوا خواہ نئی

۲۹۲

بیہوشی غفلت خمارے دارد ہشیار کہ صہبائے سحرگاہ نئی

افسوس کہ احوال سے آگاہ نہیں تو بدخواہ ہے بس اپنا ہوا خواہ نہیں تو

۲۹۲

بیہوشی غفلت تری کیسی ہے خدا را ہشیار کہ صہبائے سحرگاہ نہیں تو

از خواہش مال و جاہ زحمت ببری با یار بسر مکن کہ راحت ببری

۲۹۳

غافل نشوی پسے ندامت نکشی آگاہ اگر شوی فراغت ببری

مال اور جاہ کی خواہش سے تو ہوگی زحمت یار کے ساتھ بسر کر کہ ملے کچھ راحت

۲۹۳

ہو کر غافل نہ ہو کچھ کو فراغت حاصل ہو نہ غافل کہ ندامت ہے مآلِ غفلت

یارب ز من زار نیاید کارے جز معصیت و غفلت نیاید کارے

۲۹۴

از کار گزشت کار آگاہ شدم کارے نشد از من کہ بیاید کارے

کام کوئی بھی نہ مجھ سے ہو سکا بار خدا غفلت جرم و خطا نقص و عصیاں کے سوا

۲۹۴

جانتا ہوں جو کیا میں نے برا اپنے کیا کام کوئی بھی نہیں ایسا جو ہو کچھ کام کا

گہ شہر و دیار گہ بصحرا رفتی در راہ ہوس بصد تمنا رفتی

۲۹۵

این قافلہ نزدیک بمنزل شد اما سفر گزشت کجا ہا رفتی

شہر میں تو کبھی پہنچا کبھی سوئے صحرا ٹھوکریں کھاتا رہا راہ حرص میں تو پھرا کیا

۲۹۵

قافلہ پہنچ گیا ہے ترا منزل کے قریب ہو گیا ختم سفر پر تو بھٹکتا ہی رہا

اے دل ہمہ شب اندر تنہائی ترسی
اندیشہ مکن کہ از کجائی ترسی

۲۹۶
در راہ فنا نیست تعب آرام است
آن خانہ از ینجاست چرا می ترسی

کیوں ملک بقا سے ڈر رہا ہے اے دل
کر غور کہ وہ کونسی جا ہے اے دل
تکلیف نہیں راہ فنا میں غافل
آرام یہاں سے کچھ سوا ہے اے دل ۲۹۶

از مردم دنیا بود اندیشہ بسے
این گرگ پلنگ اند درین بیشہ بسے

۲۹۷
مینائے دل از سنگدلاں در خطر است
اندیشہ بود ہمیشہ زین شیشہ بسے

ہے مردم دنیا سے بہت خوف و خطر
اس بیشہ میں ہیں بھیڑیے چیتے اکثر
خطرہ میں ہے ان سنگدلوں سے دل زار
اس شیشہ کا رہتا ہی نہایت مجھ کو ڈر ۲۹۷

افسوس کہ از کردہ خود بیباکی
در دشت ہوس جیب و گریباں چاکی

۲۹۸
این یکدم نفس ہستی خود نیست شمار
پندار کہ تو خاک نہ گو خاکی

جیبت ہے اپنے کیے پر کسقدر بیباک تو
پھرتا ہے دشت ہوس میں جیب و داماں چاک تو
ایک دم کی ہستی، اور پھر اس کا شمار
خاک بھی تجھ میں نہیں مان گو ہی خاک تو ۲۹۸

دریاست دلت گر تو شناور بشوی
غواص محیط ہفت کشور بشوی

۲۹۹
در بحر وجود نیست موجود ہمہ
طوفاں بکشی و خواہ لنگر بشوی

دریا ہے ترا دل جو شناور ہو تو
غواص محیط ہفت کشور ہو تو
ہے بحر وجود ہی میں سب کچھ موجود
طوفان اٹھا دے خواہ لنگر ہو تو ۲۹۹

ای دل بنگر که از خسد آنچه بری هر شام و سحر در طلب سیم و زری
از هیچ سراپا ز حبابی گشته مانند نسیم هر نفس در گذری

۳۰۰

اے دل تو خدا سے کس قدر ہے بے خبر رہتا دن رات ہے تو صرف فکر سیم و زر
بلبلہ کی زندگی سے بھی ہے کم ہستی تری ہے نسیم صبح کی صورت ترا ہر دم سفر

۳۰۰

هر شام تو از شراب غفلت مستی هر صبح تو بیخبر ز هستی هستی
مینای فلک پست از باده مکن هشیار که آخر بکند بدمستی

۳۰۱

تجھکو ہے غفلت کی ہر شب مستی ہر صبح نہیں تجھے ہوش ہستی
پیمانہ کہیں ہے فلک کا شیشہ ہشیار یہ ظالم نہ کرے بد مستی

۳۰۱

خواهی که رسی بکام تلخی مچشی آسوده شوی بار ندامت نکشی
با صبر بساز با قناعت خو کن از دست هوا و حرص در کشمکشی

۳۰۲

تو عافیت جو چاہے کرنا نہ تلخ کامی آسودہ ہو اٹھانا شرمندگی نہ کوئی
رہ صبر سے قناعت کو اپنی خو بنا لے حرص و ہوا سے باز آ یہ کشمکش ہے کیسی

۳۰۲

هستی بنظر چه شد اگر پنهانی این راز نهفته را تو هم میدانی
چون شمع ز فانوس نمائی خود را پیوسته درین لباس خود عریانی

۳۰۳

ہے چشم و نظر میں گرچہ پنہاں تو ہے واقف اس راز سے مگر ہاں تو ہے
فانوس میں کھلتا ہے جلوہ جوں شمع اس اپنے لباس میں بھی عریاں تو ہے

۳۰۳

گه سرو گهی سنبل و گه یاسمنی　　گه کوه و بیابانی و گاهی چمنی

گه نور چراغی و گهی بوی گلی　　۳۱۲　　گه در چمنی و گاه در انجمنی

سنبل کبھی ہے سرو کبھی یاسمن کبھی　　صحرا کبھی ہے کوہ کبھی ہے چمن کبھی

تو نور شمع کا ہے کبھی بوئے گل کبھی　　۳۱۲　　لطف چمن ہے زیب دہ انجمن کبھی

هر چند که کم لطف و دل آزاری　　بیش از همه غمخوار و وفا داری

در عالم امتحان چو بشکستم و دیدم　　۳۱۳　　هر جا که بود شکسته دلی یاری

ہر چند کہ بے مہر و دل آزار ہے تو　　پر سب سے زیادہ اپنا غمخوار ہے تو

یہ عالم امتحان میں دیکھا میں نے　　۳۱۳　　ہر ایک کا بیکسی میں بس یار ہے تو

سرمد در دین عجب شکستی کردی　　ایمان بفدای چشم مستی کردی

با عجز و نیاز جمله نقد خود را　　۳۱۴　　رفتی و نثار بت پرستی کردی

سرمد کیا تو نے دین میں رخنہ پیدا　　ایمان کسی چشم مست کو دے ڈالا

جو کچھ تھا زر و نقد وہ با عجز و نیاز　　۳۱۴　　سب کر دیا تو نے بت پرستی پہ فدا

افسوس سرا بقدم بود الهوسی　　اندیشه نکن ببین چه چیزی چه کسی

آزاد نشو ز دام غفلت گشتم　　۳۱۵　　تا در هوسی اسیر اندر قفسی

افسوس تو سراپا کیوں الہوس ہے　　ہاں کچھ غور کر کے تو کون اور کیا ہے

آزاد ہو کہیں اے پابند دام غفلت　　۳۱۵　　جبتک ہوس ہے باقی تو قیدی بلا ہے

۳۱۶

اے دل ز ہوا و حرص غمگین شدہ ای — پابستِ غم و کمِ جہان ننگین شدہ ای
خود را بسبب ننگ دو عالم کردی — انبارِ گراں خستہ و غمگین شدہ ای

اے دل ہوا و حرص سے تو غمگین — ہے بستۂ غم جہاں سے تجھکو تسکین
خود بن گیا تو ننگ دو عالم افسوس — غم دہر ہو گیا اس لیے خستہ غمگین

۳۱۷

اے دل تو درین جہاں گمراہ شدی — پابند ہوا و حرص جانکاہ شدی
زین دام بلا اگر بجستی آخر — سر تا بقدم درد و غم و آہ شدی

اے دل تو جہاں میں سخت گمراہ ہوا — پابند ہوا و حرص جانکاہ ہوا
چھوٹا بھی جو اس دام بلا سے تو کیا — سر تا بہ قدم درد و غم و آہ ہوا

۳۱۸

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی — از فکر مآل کار و از غم نشدی
ہر گاہ ز حرص کم نہ شد فکر وجود — کمتر تو بسگ شدی و آدم نشدی

تو حرص و ہوا سے پاک اک دم نہ ہوا — کچھ تجھکو مآل کار کا غم نہ ہوا
ہے فکر وجود میں ہر اک گاہ و شغر — بدتر ہوا تو سگ سے اور آدم نہ ہوا

۳۱۹

در خوابی و از خویش نداری خبرے — غفلت ز تو تا چند ندامت ثمرے
یاراں ہمہ رفتند و تو ہم در راہی — جز ہستی موہوم نداری نظرے

ہے خواب میں اپنی نہیں کچھ تجھکو خبر — غفلت کا ندامت کی ہوا کیا ہے ثمر
سب یار گئے رہ گیا تو راہ میں ہی — کی ہستی موہوم پہ تو نے نظر

هر روز زید ریای هوس گردابی | از ظلمت غفلت همه شب در خوابی

ایام جوانی شد و پیری آمد | وقتست اگر فیض چمن دریابی

ہر روز تو دریائے ہوس کا ہے تو گرداب | تاریکیِ غفلت تجھے ہر شب ہے خواب

اب ختم جوانی ہوئی - پیری تری آئی | موقع ہے جو اس باغ سے چن لے گل شاداب

سرمد بجهان بسی نکو نام شدی | از مذهب کفر سوی اسلام شدی

آخر چه خطا دیدی ز الله و رسول | برگشته مرید لچهمن و رام شدی

سرمد تو زمانہ میں نکو نام ہوا | جب کفر سے راغب سوئے اسلام ہوا

اللہ و نبی میں کیا برائی دیکھی | کیوں پھر کے مرید لچھمن و رام ہوا

تمت بالخیر

اعلان ضروری

چونکہ رباعیات سرمد علیہ الرحمۃ کے اس منظوم ترجمہ کا حق اشاعت دائمی جناب مترجم (دامت فیوضہم) سے میں نے حاصل کر لیا ہے۔ اس لئے صاحبان مطابع و ناشرین و تاجران کتب سے التماس ہے کہ وہ اس ترجمہ کو چھاپنے اور شائع کرنے کا قصد نہ فرمائیں اور نفع کے عوض نقصان نہ اٹھائیں۔ البتہ جس قدر جلدوں کی ضرورت ہو بلا تامل ذیل کے پتہ سے طلب فرما سکتے ہیں تاجران کتب کو معقول رعایت دیجائے گی۔

المعلن سید محمد قربان علی السبحل مالک شاہجہانی پریس دہلی کٹرہ گوکل شاہ

رباعیات عمر خیام (مع ترجمہ اردو) تاج الکلام

کم وبیش نوسو رباعیاں حضرت عمر خیام کی اس کتاب میں موجود ہیں۔ ہر فارسی رباعی کے نیچے اردو ترجمہ منظوم موسومہ تاج الکلام درج ہے۔ ترجمہ اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ اردو نظم میں بھی عمر خیام کے خیالات کی ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے دو رباعیاں معہ ترجمہ درج کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے حضرت عمر خیام کے حالات بھی ابتدا میں درج کئے گئے ہیں۔

این چشم پیالہ میں بجاں آبستن ‌ ‌ ‌ ہمچوں سمنے بارغواں آبستن

نے نے غلطم کہ بادہ از غایت لطف ‌ ‌ ‌ آبیست بآتش رواں آبستن

دیکھ چشم ساغر لبریز جاں سے حاملہ ‌ ‌ ‌ یہ بھی گویا اک سمن ہے ارغواں سے حاملہ

واہ یہ بالکل غلط بادہ ہے فرط لطف سے ‌ ‌ ‌ ایک پانی آتش سیل رواں سے حاملہ

یارب تو قبول ورد م باز رہاں ‌ ‌ ‌ مشغول خودم کن از خودم باز رہاں

تا ہشیارم زنیک و بد سیرانم ‌ ‌ ‌ مستم کن و از نیک و بدم باز رہاں

کر مجھے رد و قبول خلق سے یارب رہا ‌ ‌ ‌ شغل ہو تیرا نہ دم بھر بیخودی سے واسطا

جانتا ہوں نیک و بد جب تک نہ ہوں ہشیار ‌ ‌ ‌ مست رکھ اور نیک و بد کی فکر سے مجھ کو چھڑا

قیمت دو روپے چار آنے علاوہ محصول ڈاک

منشی قربان علی بسمل شاہجہانی پریس دہلی سے طلب کیجئے۔